محدود ہے، آخر کے چو صفحوں میں رسالہ کے مشکل الفاظ جمع کر کے انکی تشریح کیگئی ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۶ صفحے، قیمت ۵ ر پتہ :۔ شیخ غلام علی صاحب تاجر کتب کشمیری بازار لاہور،

گوتم بدھ، قرآن مجید کی آیت "ما من امۃ الا خلا فیھا نذیر" کو پیش نظر رکھکر مہاتما گوتم بدھ کا "مصلحین امت" میں ہونے کا نظریہ ایک حد تک مانوس ہوتا جاتا ہے، منشی امیر احمد صاحب علوی بی اے نے اسی مطمح نظر کے ساتھ زیر تبصرہ رسالہ میں مہاتما کے سوانح حیات اور انکی تعلیمات کا خلاصہ درج کیا ہے، شاید اردو میں کسی مسلمان کے قلم سے یہ مضمون پہلی دفعہ ادا ہوا ہے، ضخامت ۴۲ صفحے، کتابت و طباعت متوسط اور کاغذ معمولی ہے، قیمت ۴ر دفتر الناظر بک ایجنسی چوک لکھنؤ سے ملسکتی ہے،

قاعدہ تیسیر القرآن، مولوی ابو الفیض محمد سلیمان صاحب بی اے نے ابتدائی قاعدے "قاعدہ بغدادی" میں نہایت حسن و خوبی سے ضروری ترمیم کر کے یہ رسالہ شائع کیا ہے، رسالہ میں ۱۲ اسباق ہیں اور سبق کی ابتدا میں تعلیقاً علیحدہ علیحدہ اصول تعلیم بتائے گئے ہیں، امید ہے کہ غالباً بچوں کے لیے یہ رسالہ مفید ہوگا، حجم چھوٹی تقطیع پر ۴۸ صفحے لکھائی چھپائی بچوں کے پڑھنے کے لائق اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۲۰ ر پتہ :۔ مکتبۃ الفیض چوک فرید امرتسر پنجاب،

عام فہم تفسیر پارہ الم، خواجہ حسن نظامی صاحب نے اردو کی متعدد تفسیروں کو پیش نظر رکھ کر عام فہم زبان میں "عام فہم تفسیر" لکھنی شروع کی ہے، اس تفسیر کا پہلا "پارہ الم" شائع ہوا ہے، اس میں ہر آیت کریمہ علیحدہ علیحدہ جلی حروف میں لکھی گئی ہے، اسکے نیچے تحت اللفظ ترجمہ ہے، پھر اس ترجمہ کے مطالب عام فہم زبان میں بیان کئے گئے ہیں، اس تفسیر کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ آخر میں "عملیات" کا ایک باب باندھا گیا ہے، اس کے ذیل میں سورہ الحمد اور آیت الم کے متعلق صوفیہ کے چند بتائے ہوئے عمل اور ان کے کرنے کے طریقے لکھے گئے ہیں جو سینہ بہ سینہ خواجہ صاحب تک بسلسلۂ روایت پہنچے ہیں اور جنہیں خواجہ صاحب نے اپنی کمال فیاضی سے "میں اجازت دیتا ہوں" کے الفاظ کے ساتھ وقف عام کر دیا ہے، ضخامت ۸۰ صفحے لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ متوسط ہے، ہدیہ ۸ر پتہ :۔ حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی،

مجلد ہفدہم	ماہ رجب المرجب ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۲۶ء	عدد دوم

مضامین

شذرات

فروری کا یہ پرچہ ذرا تاخیر سے شائع ہوتا ہے جسکی ایک وجہ تو فروری کے مہینہ کی طبعی چھوٹائی ہے، لیکن اصلی وجہ کاتب کی علالت اور اڈیٹر کی خانگی پریشانی ہے، اچھا ہے اگر اڈیٹر کی پریشانیون مین ناظرین کی بھی کسی نوع کی شرکت ہوجائے، خواہ وہ پرچہ کے بروقت نہ پہنچنے ہی کی ہو،

مسلم یونیورسٹی کے بعض ارکان کی کوشش ہے کہ یونیورسٹی مین علوم مشرقیہ کا بھی ایک صیغہ قائم ہو کیونکہ مسلم یونیورسٹی کے لیے جب روپیہ فراہم کیا جارہا تھا تو مسلمانون کو اسکی توقع دلائی گئی تھی، اسلیے اب اس وعدہ کے وفا کرنے کے دن آگئے ہین، چنانچہ اسی غرض سے منتظمین یونیورسٹی کی دعوت پر چند ایسے علما جو جدید ضروریات سے آگاہ، اور نصابہائے تعلیم اور درسگاہون کا تجربہ رکھتے تھے، علی گڈہ مین جمع ہوئے، اور متواتر سات اجلاسون مین جو ۱۱ فروری سے ۱۷ فروری تک منعقد ہوتے رہے، مسئلہ کے تمام پہلوؤن کو سمجھا، اور اسکے لیے ایک نقشۂ عمل اور ایک نصاب میٹرک سے ایم اے تک کا تیار کرکے یونیورسٹی کے سامنے پیش کردیا،

اس مجلس کے ارکان حسب ذیل اصحاب تھے، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی، مولانا سلیمان اشرف صاحب صدر علوم شرقیہ مسلم یونیورسٹی، مولانا مناظر احسن صاحب استاذ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، مولانا امجد علی صدر مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر، اور خاکسار، مولانا عبدالعزیز صاحب میمن راجکوٹی استاذ ادبیات عربی مسلم یونیورسٹی نے بھی خاص خاص موقعون پر شرکت کی، علوم مشرقیہ کو تین حصون مین منقسم کیا گیا ہے، عقلیات، دینیات اور ادبیات، اور ہر ایک کا علحدہ علحدہ نصاب ترتیب دیا گیا ہے جو ایف اے کے پہلے سال سے ایم اے تک ختم ہوجائے گا، ہمارا کام ختم ہوگیا، اب نہین کہا جاسکتا کہ منتظمین و ارکانِ یونیورسٹی اسکو رد کرینگے یا قبول کرین گے، ہندو یونیورسٹی نے اپنے ہان سنسکرت لازمی کردی ہے، اور ہمکو ابھی رد و قبول مین پس و پیش ہی ہے،

چند برسون سے گورنمنٹ نے دیسی طریقۂ علاج کی ترقی و حفاظت کی طرف توجہ کی ہے، بہار مین ایک طبی کلاس مدرسہ شمس الہدی کے ساتھ قائم ہوئی ہے، حتی کہ مدراس مین طب کا ایک سرکاری مدرسہ کھولا گیا ہے اور پنجاب مین اورنٹیل کالج کے ساتھ مدت سے طبی شاخ قائم ہے، اب ہمارے صوبہ نے بھی ادھر توجہ کی ہے، یوپی گورنمنٹ نے چند حکیمون اور بیدون کی کمیٹیان بنادی تھین، جو اس معاملہ پر غور کررہی تھین، آخر یہ طے ہوا کہ اس صوبہ مین ایک طب اور ایک بید کا کالج کھولا جائے اور گورنمنٹ اس کے ابتدائی مراحل کے لیے تین لاکھ یکمشت، اور ۵۰ ہزار سالانہ دیگی،

بحث یہ پیش آئی کہ یہ کالج کہان کھولے جائین، ہندؤن نے اپنے لیے بالاتفاق بنارس کو پسند کیا اور طے ہوا کہ ہندو یونیورسٹی کی ماتحتی مین یہ قائم ہو، مسلمان حکیمون مین مقام کی تعیین مین اختلافات پیش آئے، لکھنؤ مین اسوقت طب کی متعدد چھوٹی بڑی درسگاہین ہین جنمین خاص امتیاز تکمیل الطب (جھوائی ٹولہ لکھنؤ) کو ہے، اسلیے بعض صاحبون کی یہ رائے ہوئی کہ اسی مدرسہ کو مدد دیکر اسکو اس صوبہ کا طبی کالج بنادیا جائے، مگر یہ تجویز بعض خاص وجوہ سے اتفاق عام حاصل نہ کرسکی، لکھنؤ مین شاہانِ اودھ کے ایک وقف سے ایک شاہی یونانی شفاخانہ اور ایک شاہی ڈاکٹری کا اسپتال ہے، دوسری تجویز یہ تھی کہ اسی شاہی یونانی شفاخانہ اور شاہی ڈاکٹری اسپتال کو طبی کالج کی صورت مین تبدیل کردیا جائے،

مگر جانے کہ طب یونانی نئے تعلیم یافتہ اشخاص کی نظر مین خواہ وہ کسی قدر غیر ضروری، غیر علمی (اَن سائنٹفک) ہو مگر یہان تو علی گڈہ اور بنارس کا تقابل ہے، سنا ہے کہ اب یہ تجویز پیش ہے کہ طبی کالج مسلم یونیورسٹی کے تحت مین علی گڈہ مین قائم کیا جائے، چنانچہ یونیورسٹی کے ارکان خاص نے بسرعت تمام اس کا اعلان بھی کر دیا ہے، ہم مسلم یونیورسٹی کی جامعیت کی خاطر اس تجویز کی خواہ تائید بھی کر دین مگر لکھنؤ اور طب کی مناسبت کو علی گڈہ کی زمین مین کیسے یقین کر لین،

ندوۃ العلما، کے اجلاس انبالہ مین لڑکیون کو حقِ وراثت دلانے کی جو تجویز منظور ہوئی تھی شکر ہے کہ جا بجا ملک مین اوسکی تائیدین بھی ہو رہی ہین، حمایت اسلام لاہور نے اپنے اجلاس سالانہ مین یہ قرار داد منظور کی، اب جمعیۃ العلماء اپنے اجلاس کلکتہ مین اس پر غور کرے گی، پونہ کے ایک صاحب فہم سیٹھ نے اس بارہ مین بڑی کوششین کی ہین، اور انھون نے یہ خوشخبری سنائی ہے کہ کچھی میمن برادری کے آدھے آدمیون نے قانونِ اسلامی کو قبول کر لیا ہے، اور باقی آدھے آدمیون مین بھی کام ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ پنجاب اور بمبئی کے مسلمانون کو اس بارہ مین قبول حق کی توفیق عطا فرمائے،

بعض نادان ہندو اصحابِ قلم مسلمانون کو طعنہ دیتے ہین کہ مسلمانون نے ہندوٗن پر صدہا سال حکومت کی، اور اس کا خاتمہ بھی ہو گیا، مگر انھون نے اپنی ہندو رعایا کے لٹریچر سے واقفیت حاصل نہ کی، اس لغو اعتراض کا جواب بارہا دیا گیا، اور دکھایا گیا کہ مسلمانون نے ہندوٗن کے علوم و فنون و ادبیات مین کس درجہ ترقی کی تھی، تمھین معلوم نہین تو یہ اپنی جہالت ہے دوسرون کی نہیں،

مگر اب ایسا موقع آیا ہے کہ اس سوال کو الٹ دیا جائے، مسلمان ایک ہزار برس سے ہندوٗن کے

ساتھ رہ سہ رہے ہین، ان کے تمام مراسم و عبادات انکی آنکھون کے سامنے انجام پاتی ہیں، ان کے پیغمبرون اور بزرگون کی سوانحعمریان اردو مین موجود ہیں، ان کے مذہب اسلام کی نسبت ہر قسم کے معلومات سامنے ہین، تاہم ہمارے جدید تعلیم یافتہ ہندوٗن کو مسلمانون کی نسبت کوئی مذہبی واقفیت نہین ہے، حتیٰ کہ اسلام کی سب سے بڑی شخصیت محمد رسول اللہ صلعم کے متعلق بھی اونکی اطلاع ملکی ذریعہ سے نہین بلکہ غیر ملکی ذرائع سے ہے، دوستون کی زبان سے نہین دشمنون کی زبان سے ہے،

سنا ہوگا کہ ناگپور مین مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کی تالیف و اشاعت کا کام ایک مدت سے جاری ہے، ابھی حال مین اوسکی سولھوین جلد شائع ہوئی ہے، ان سولہ جلدون مین اسلام، اسلامی تمدن، اور اسلامی تاریخ کے متعلق بھی بہت کچھ ہے مگر جو کچھ ہے وہ سب یورپین مستشرقین اور کرسچین مشنریز کے خیالات کا عکس ہے، اپنی گرہ کی کوئی چیز نہین ہے اغلاط کا ایک انبار خانہ ہے، کیا مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے مرتب کرنے والون کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ ان مضامین کے لیے بعض مسلمان مرہٹی اہل قلم کی عنایتین حاصل کرین، ہندوستان مین رہکر اور ہندوستان کے ایک عظیم الشان مذہب اور ایک چوتھائی آبادی کے مذہب و تاریخ سے ناواقفیت کس درجہ قابلِ افسوس ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے ایک پارہ (پیرا) کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ہمارے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو دوست مسلمانون کی تاریخ اور انکے پیغمبر کی سیرت سے کس درجہ واقفیت رکھتے ہین،

"سیرۃ ابن اسحاق مین محمدؐ کا جو حال لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا چال چلن بہت خراب تھا، اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے وہ جو تجویز چاہتا تھا اسکو عمل مین لانے

کے لیے کبھی پس و پیش نہین کرتا تھا، نیک نیتی کو بالائے طاق رکھنے کے لیے اپنے پیرو دن کو اجازت دے رکھی تھی، بیفکری کے ساتھ جس طرح چاہا خون اور قتل کرایا، مدینہ مین اس کا ظالمانہ عمل دیکھا جائے تو وہ ٹراؤکو دن کا ایک سردار دکھائی دیتا ہے، اسیلیے کہ فن معاشیات کا علم اسکو اسی قدر تھا کہ لوٹ مار کرکے جو مال جمع ہو اسکو اپنے پیرو دن مین تقسیم کردے، بلکہ اس کے پیرو دن کو یہ بھی شکایت تھی کہ مال غنیمت کی تقسیم مین وہ بہت طرفداری اور ناانصافی کرتا ہے، وہ خود حد سے زیادہ عیش پرست تھا، اور اپنے پیرو دن کے لیے بھی عیش پرستی مباح کر رکھی تھی، اس پر بھی جو کام وہ کرتا تھا، وہ کہتا تھا کہ مین وہ سب خدا کے حکم سے کرتا ہون، اپنی حکومت کے فائدہ کے لیے کسی اصول کے پامال کرنے مین اوسکو ذرا بھی مضایقہ نہین ہوتا تھا"

"مذکورۂ بالا عبارت محمدؐ کے کسی دشمن کے قلم سے نہین نکلی ہے، بلکہ اس کے ایک پیرو نے تحریر کی ہے، اور اسکو رد کرنے کی کسی مسلمان مصنف نے کوشش نہین کی"،

یہ مذکورۂ بالا تحریر جو مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے ایک پارہ کا لفظی ترجمہ ہے، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہموطنون کی اسلامی واقفیت کا آئینہ ہے، ابن اسحاق کی کتاب مین جواب بصورت سیرۃ ابن ہشام موجود ہے، یہ پارہ کہین ملجائے تو ہم مصنفین مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کو بشارت دینگے کہ انھون نے اسلام کی شکست کے لیے سب سے کامیاب ہتھیار استعمال کیا ہے، سیواجی کے پرستارون کو لازم نہین کہ اپنی علمی تحریرون مین ڈاکو کا لفظ استعمال کرین، کیا یہ علمی تحقیق ہوگی کہ اپنے پڑوسیون کے مذہب اور بزرگون کی نسبت ساری عیسائی مشنریون کی متعصبانہ تحریرون کو ماخذ اور سند قرار دیا جائے، مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے ان فقرون کا مرہٹی سمجھنے والے مسلمانون کے دلون پر کتنا صدمہ ہوگا، کوئی اس کا اندازہ کرسکتا ہے؛ کیا مسلمانون نے رام جی، سیتاجی، کرشن جی وغیرہ ہندو بزرگون کی نسبت اپنی کسی علمی و سنجیدہ تحریر مین اس قسم کے سوقیانہ اور نفرت انگیز الفاظ کبھی استعمال کیے ہین،

جامعۂ ترکیہ قسطنطنیہ مین علم اقوام اسلامیہ کا ایک نیا فن اضافہ کیا گیا ہے، جسمین مسلمان قومون کے نسبی و قومی امتیازات، انکی تاریخ ارتقاء و تنزل اور موجودہ حالات و اسباب سے بحث کیجائیگی، ان مسائل پر خطبہ دینے کے لیے مشہور ترکی صاحب قلم خلیل خالد آفندی کا انتخاب ہوا ہے، ہمارے دوست سید سجاد حیدر صاحب رجسٹرار مسلم یونیورسٹی جو ترکی زبان کی مہارت اور ٹرکی کے سفر کے باعث ترکون مین روشناس ہین، ان کے پاس خلیل خالد آفندی کا ایک خط بدین مضمون آیا ہے کہ وہ ان خطبات کی تیاری مین فضلائے ہند کے خیالات سے مستفید کرین، چنانچہ اس سلسلہ مین ڈاکٹر اقبال نے اپنے خیال کے مطابق ایک مفصل خاکہ لکھکر بھیجا ہے جسمین اقوام اسلامیہ کے متعلق ہر قسم کے مباحث کا احتوا کیا گیا ہے، امید ہے کہ یہ سلسلہ آیندہ چلکر کوئی دلچسپ و کارآمد چیز بن جائے، اور اقوام اسلامیہ کی وحدت کی اس سے نئی راہ نکل سکے،

جناب سید سجاد حیدر صاحب کے پاس ٹرکی سے جو نئی ترکی تالیفات آئی ہین، ان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ جامعۂ ترکیہ مین الٰہیات و دینیات کا خاص شعبہ (فیکلٹی) قائم کیا گیا ہے، اس شعبہ کی طرف سے ایک ماہوار علمی رسالہ شائع ہو رہا ہے، جو رسالہ میری نظر سے گذرا اوسمین ایک دلچسپ مضمون امام غزالی اور سلطان سلجوقی پر تھا، اور اس مین امام کا ایک نصیحت آمیز خط سلطان کے نام تھا، دوسرا دلچسپ مضمون نظریۂ ذرات (ایٹمز) اور متکلمین اسلام پر تھا جس مین نہایت تفصیل کے ساتھ متکلمین کے خیالات نقل کیے گئے ہین، اس سے زیادہ دلچسپ چیز اس شعبہ کی طرف سے علم کلام جدید کے عنوان سے ایک تالیف ہے جس کے دو حصے ہین، افسوس کہ زبان کی اجنبیت کے باعث مطالب سے آگاہی نہ ہوسکی، مگر اتنا ظاہر ہوا کہ عقائد الوہیت

درسالت، و تقدیر، حسن و قبح اشیا، خیر و شر وغیرہ کے متعلق، حکمائے اسلام، متکلمین اور صوفیہ کے خیالات و دلائل ہین، اور موجودہ حکمائے یورپ کے خیالات مین شاید تطبیق کی کوشش کیگئی ہے، بیچ بیچ مین آیات واحادیث

شادی اور بیاہ کے مراسم مین جو فضول خرچی اور اظہار شان کی صورتین ہندوستان مین ہین معلوم ہوتا ہے کہ وہی بعینہ ترکی مین بھی ہین، ابھی حال مین انگورہ کی مجلس ملیہ نے ان مراسم کے انسداد اور اصلاح کیلئے چند قانونی دفعات شائع کی ہین، لامحالہ ترکی پولیس کے خوف سے ان قانونی دفعات کی پیروی مین یہ اصلاحات نافذ ہونگی اور ترکی مسلمان ان بدعات و خرافات سے نجات پائینگے، ہندوستان مین علمائے اسلام اور اسلامی انجمنین ایک مدت سے ان پر وعظ و پند کہہ رہی ہین، مگر نتیجہ بمنزلہ صفر، ایسے ہی مواقع مین "اپنی سلطنت" کی آرزو پیدا ہوتی ہے،

دنیا مین اس کثرت سے قدیم عربی کتابین شائع ہوئی ہین اور ہو رہی ہین جنکی حد نہین، مگر آپکو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ علامہ زمخشری کی کشاف کے علاوہ معتزلہ کی اب تک صرف دو کتابین چھپی ہین، سب سے پہلی کتاب تو قاضی عبد الجبار معتزلی کی کتاب تنزیہ القرآن عن المطاعن ہے، جو مصر سے شائع ہوئی، اور دوسری کتاب ابو مسلم اصفہانی کی تفسیر کے اقتباسات جو دار المصنفین نے شائع کئے ہین، اب تیسری کتاب ایک مستشرق نبرج NY- BERJ پروفیسر الیسال یونیورسٹی سویڈن کی کوشش اور محنت سے مصر سے الانتصار شائع ہوئی ہے، مشہور ابن الراوندی جو ملحد کے نام سے شہرت رکھتا ہے، اسکے جواب مین ہے، اس کا مصنف ابو الحسین عبد الرحیم بن محمد الخیاط ہے، اس کتاب مین پہلے ابن راوندی کے معتزلہ پر اعتراضات نقل کرتا ہے، پھر جواب دیتا ہے، کتاب ایک جلد مین ہے، اور خاصی ضخیم ہے،

مقالات

مدراس کا تیسرا خطبہ

احادیث و سیر کی تحریری تدوین

حضرات! آیئے اب ان چار دن معیارون پر پیغمبر اسلام علیہ السلام کی سیرۃ مبارکہ پر نظر ڈالین، سب سے پہلی چیز تاریخیت ہے، اس باب مین تمام دنیا متفق ہے، کہ اس حیثیت سے اسلام نے اپنے پیغمبر کی سیرت کی اور نہ صرف اپنے پیغمبر کی، بلکہ ہر اس چیز کی، اور اس شخص کی جس کا ادنی تعلق بھی حضرت صلعم کی ذات مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی ہے، وہ اب بھی عالم کے لیے مایۂ حیرت ہے، ان لوگون کو جو آنحضرت صلعم کے اقوال، افعال اور متعلقات زندگی کی روایت و تحریر و تدوین کا فرض انجام دیتے تھے، ان کو راویان حدیث و رواۃ یا محدثین اور ارباب سیر کہتے ہین جنمین صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور بعد کی چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص داخل ہین جب تمام سرمایۂ روایت تحریری صورت مین آگیا تو ان تمام رُوات کے نام و نشان، تاریخ زندگی، اخلاق و عادات کو بھی قید تحریر مین لایا گیا، جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہوگی، ان سب کے مجموعۂ احوال کا نام اسماء الرجال ہے، مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر جو ۱۸۵۴ء اور اس کے بعد تک ہندوستان کے علمی و تعلیمی صیغہ سے متعلق تھے، اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے سکرٹری تھے، اور ان کے عہد مین خود ان کی محنت سے واقدی کی مغازی وان کریمر کی اڈیٹرشپ ۱۸۵۶ء مین شائع ہوئی، اور صحابۂ کرام

حالات میں اصابہ فی احوال الصحابہ ابن حجر کی طبع ہوئی، اور جنھوں نے جیسا کہ ان کا دعویٰ[1] ہے کہ وہ پہلے یورپین
شخص ہیں جنھوں نے خاص ابتدائی عربی ماخذوں سے "لائف آف محمد" لکھی ہے[2]، اور مخالفانہ لکھی ہے، تاہم وہ اصابہ
کے انگریزی مقدمہ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۵۳ء تا سنہ ۱۸۶۴ء میں لکھتے ہیں،

"کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری اور نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا سا
عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جسکی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہو" (مقدمہ سیرۃ النبی)

صحابہ کرام کی تعداد حیات نبوی کے اخیر سال حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ تھی، ان میں ۱۱ ہزار آدمی
ایسے ہیں جنکا نام و نشان آج تحریری صورت میں تاریخ کے اوراق میں جو خاص انھیں کے حالات میں لکھے
گئے ہیں، اسلئے موجود ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جنمیں سے ہر ایک نے کم و بیش آنحضرت صلعم کے اقوال و افعال
و واقعات میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دوسرون تک پہنچایا ہے، یعنی جنھون نے روایت کی خدمت انجام دی ہے،
اور یہی سبب ان کی تاریخی زندگی کا ہے،

سنہ ۱۱ھ مین آنحضرت صلعم نے وفات پائی، اور تقریباً سنہ ۴۰ھ تک اکابر صحابہ کے وجود کا سلسلہ رہا،
سنہ ۷۰ھ تک اصاغرِ صحابہ کی خاصی تعداد موجود تھی اور صدی کے ختم ہوتے اس نورِ نبوت کا چراغ گل ہو گیا،
ہر شہر مین آخری وفات پانے والے صحابیون کے نام اور سالِ وفات یہ ہیں:

اسم گرامی	نام شہر	سالِ وفات
۱- ابو امامہ باہلی	شام	سنہ ۸۶ھ
۲- عبد اللہ بن حارث بن جزء	مصر	سنہ ۸۶ھ
۳- عبد اللہ بن ابی اوفیٰ	کوفہ	سنہ ۸۷ھ
۴- سائب بن یزید	مدینہ	سنہ ۹۱ھ

[1] On the origin and Progress of writing down Historical facts among Musalmans سنہ ۱۸۵۶ء مین لکھی اور الہ آباد سے شائع ہوئی،

۵- انس بن مالک	بصرہ	سنہ ۹۳ھ

حضرت انس بن مالک جنھون نے اس فہرست مین سب سے آخر مین وفات پائی ہے، وہ آنحضرت صلعم کے خادم
خاص تھے، دس برس تک متصل آنحضرت صلعم کی خدمت مین رہے ہین، اور وہ سنہ ۹۳ھ مین وفات پاتے ہین،
اور تابعین یعنی صحابہ کے تلامذہ کے دور کا سلسلہ سے اس طرح آغاز ہوتا ہے کہ گو وہ پیدا ہو چکے تھے،
مگر آنحضرت کی زیارت سے محروم رہے، یا بہت بچے تھے، آنحضرت صلعم کا فیض نہ اٹھا سکے، چنانچہ عبد الرحمان بن
حارث تابعی تقریباً سنہ ۳ھ مین، قیس بن ابی حازم سنہ ۱ھ مین، سعید بن مسیب سنہ ۱۵ھ میں پیدا ہو چکے تھے، یہ وہ
گروہ ہے جو صحابہ کے بعد تابعین کے گروہ در گروہ جو دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ مین پھیلے تھے، اور رسول اللہ
صلعم کے وقائع و حالات، اور احکام و قضایا کی تعلیم، تبلیغ اور اشاعت مین مصروف تھے اونکی مجموعی تعداد
کیا ہو گی، مین صرف ایک مدینہ کے تابعین کی تعداد ابن سعد کے حوالہ سے بتاتا ہون، طبقہ اولیٰ یعنی ان تابعین
کی تعداد جنھون نے بڑے بڑے صحابہ کو دیکھا تھا اور ان سے واقعات و مسائل سنے تھے، ۱۳۹ ہے، طبقہ دوم
یعنی وہ تابعی جنھون نے مدینہ مین عام صحابہ کو دیکھا اور اُنسے سنا ۱۲۹ ہیں، طبقہ سوم یعنی وہ تابعین جنھون نے متعدد
یا کسی نے کسی صحابی کو دیکھا اور ان سے سنا، ۸۷ ہیں، کل تعداد ۳۵۵ ہے، یہ تعداد صرف ایک شہر کی ہے، اسی پر
مکہ معظمہ، طائف، بصرہ، کوفہ، دمشق، یمن، مصر، وغیرہ کے ان تابعیون کا اندازہ لگاؤ جو اپنے اپنے شہر میں
صحابہ کرام سے تلمذ کا شرف رکھتے تھے، اور جنکے روز و شب کا مشغلہ ہی آنحضرت صلعم کے قول و فعل کی اشاعت
اور تبلیغ تھی، اس اہتمام کو خیال کرو کہ ہر صحابی سے جو کچھ روایتیں ہین ان مین سے ہر ایک کا شمار کر لیا گیا
اور وہ گن لیگئین، اس سے اندازہ کرو کہ کیا کچھ اہتمام نہ آنحضرت صلعم کے حالات و اقوال کی فراہمی میں کیا گیا،
صحابہ کرام میں سے جن اصحاب کی سب سے زیادہ روایتین ہین، وہ حسب ذیل ہیں،

۱- حضرت ابو ہریرہؓ	۵۳۷۴	سنہ ۵۹ھ
۲- حضرت عبد اللہ بن عباسؓ	۲۶۶۰	سنہ ۶۸ھ

۳- حضرت عائشہ صدیقہ رض — ۲۲۱۰ — سنہ ۵۸ھ

۴- حضرت عبداللہ بن عمر رض — ۱۶۳۰ — سنہ ۷۳ھ

۵- حضرت جابر بن عبداللہ رض — ۱۵۶۰ — سنہ ۷۸ھ

۶- حضرت انس بن مالک رض — ۱۲۸۶ — سنہ ۹۳ھ

۷- حضرت ابو سعید خدری رض — ۱۱۷۰ — سنہ ۷۴ھ

یہی وہ لوگ ہین جنکی روایات آج سیرت نبوی کا سب سے بڑا سرمایہ ہین، اونکی وفات کی تاریخون پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا، کہ ان کے سالہائے وفات اس قدر متاخر ہین، کہ ان سے فیض اٹھانے، اور اونکی روایتون کو حفظ اور تدوین کرنے والون کی بیشمار تعداد ہوگی، انھین باتون کی واقفیت اور آگاہی کا نام اس زمانہ مین علم تھا، اور وہ دینی اور دنیاوی دونون عزتون کا ذریعہ تھین، اسلیے ہزارون صحابہ جو کچھ انھون نے دیکھا تھا اور جانا تھا، آنحضرت صلعم کے حکم کے مطابق بلّغوا عنی، (مجھسے جو کچھ سنو اور دیکھو اوسکی اشاعت کرو) یا فلیبلغ الشاھد الغائب (جو مجھے دیکھ رہے ہین اور مجھ سے سُن رہے ہیں وہ ان کو مطلع کردین جو اس سے محروم رہے ہین) وہ سب اپنی اپنی اولادوں، عزیزوں، دوستون اور ملنے والون کو سناتے اور بتاتے چلے جاتے، یہی ان کی زندگی کا کام اور یہی انکے روز و شب کا مشغلہ تھا، اسلیے صحابہ کے بعد فوراً ہی دوسری نوجوان پود ان معلومات کی حفاظت کیلئے کھڑی ہوگئی، ان مین سے ہر ایک واقعہ کو لفظ لفظ یاد کرنا پڑتا تھا، انھین کو دہرانا پڑتا تھا، آنحضرت صلعم نے جہان اپنے اقوال و افعال کی اشاعت کی تاکید کی تھی، اسکی بھی تہدید کردی تھی کہ جو کوئی میرے متعلق قصداً کوئی غلط یا جھوٹ بات منسوب کرے گا اسکا ٹھکانا جہنم ہوگا، اس اعلان کا یہ اثر تھا کہ بڑے بڑے صحابہ روایت کرتے وقت تھر تھر کانپتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک دفعہ روایت کی اور آنحضرت صلعم کی کوئی بات نقل کی، تو چہرہ کا رنگ بدل گیا، تھوڑی دیر بعد پھر کہا کہ حضور نے ایسا ہی فرمایا تھا یا اسی کے قریب قریب فرمایا تھا،

عربون کا حافظہ فطرۃً نہایت قوی تھا، سینکڑون شعر کے قصیدے زبانی یاد رکھتے تھے، اس کے علاوہ فطرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جس قوت سے جس قدر کام لیا جائے اسی قدر زیادہ اس کو ترقی ہوتی ہے، صحابہ اور تابعین نے قوتِ حفظ کو معراج کمال تک پہنچایا، وہ ایک ایک واقعہ اور ایک ایک حدیث کو اس طرح زبانی سنکر یاد کرتے تھے، جیسے آج مسلمان قرآن مجید یاد کرتے ہین، ایک ایک محدث کئی کئی ہزار اور کئی کئی لاکھ حدیثین زبانی یاد کرتا تھا اور یاد رکھتا تھا، اور گو بعد میں لوگ اپنی یادداشت کے لیے لکھ بھی لیتے تھے مگر جب تک وہ زبانی یاد نہ رہتین نگاہون میں ان کی عزت نہین ہوتی تھی، اور وہ خود اپنی تحریری یادداشتون کو عیب کی طرح چھپاتے تھے، تاکہ لوگ ایسا نہ سمجھین کہ ان کو یہ چیزین یاد نہین ہین،

دوستو! بعض اورنٹیلسٹ اسکالرس، اور بعض پڑھے لکھے مشنریون نے جنمین سب سے آگے سر ولیم میور اور گولڈ زیہر ہیں، اس بنا پر کہ روایات نبوی کی تحریر و تدوین کا کام آنحضرت صلعم کی وفات سے ۹۰ برس بعد شروع ہوا، اونکی صحت اور وثوق مین شک پیدا کرنا چاہا ہے، مگر ہمنے جس طرح اوپر تفصیل آپ کے سامنے پوری روداد رکھدی ہے اور بتایا ہے کہ صحابہ کس طرح واقعات کو حفظ رکھتے تھے، کس طرح احتیاط برتتے تھے، کس طرح آیندہ آنیوالی نسلون کو وہ امانت سپرد کرتے تھے، اس سے خود اندازہ ہوگا کہ گو وہ تحریری صورت مین بہت بعد آئے ہون، تاہم اونکی صحت اور وثوق مین کوئی کچھ شک نہین کرسکتا، صحابہ نے اپنے معلومات کو تین اسباب سے قیدِ تحریر مین لانا عموماً مناسب نہین سمجھا،

۱- ابتداءً آنحضرت صلعم نے قرآن مجید کے علاوہ کسی اور چیز کو کتاب کی صورت مین رکھنے کی ممانعت کردی تھی، اور فرمایا تھا کہ قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ نہ لکھو لا تکتبوا عنی غیر القرآن، اور یہ اسلیے تھا تاکہ عام لوگون مین قرآن اور غیر قرآن کا باہمی التباس نہ ہوجائے، چنانچہ جب قرآن مسلمانون مین پوری طرح محفوظ ہونے لگا، تو آخر مین کسی کسی کو اجازت دیدی، اس پر بھی اکثر صحابہ احادیث و وقائع نبوی کو قید تحریر مین لانے سے اخیر دم تک احتیاط برتتے رہے،

۲- ان کو خیال تھا کہ وقائع کے تحریری صورت مین آجانے کے بعد بھی لوگون کی اعتنا، توجہ اور شغولیت ان کے ساتھ باقی نہین رہیگی، اور لوگ تحریری مجموعہ کے موجود رہنے کے باعث حفظ اور زبانی یاد رکھنے کی محنت سے جی چرائین گے، اور یہ واقعہ ثابت ہوا، چنانچہ جیسے جیسے سفینون کا علم بڑھتا گیا، سینون کا علم گھٹتا گیا اور نیز انکو یہ بھی خیال تھا کہ ہر کس و ناکس کتاب کے مجموعہ کو ہاتھ مین لیکر عالم بننے کا دعوی کر بیٹھے گا، چنانچہ یہ بھی ہوا،

۳- تیسری وجہ یہ تھی کہ ابھی تک عرب مین لوگ کسی واقعہ کو لکھکر اسکی مدد سے اپنے ذہن مین رکھنے کو معیوب سمجھتے تھے، اور اپنی کمزوری کا یہ اعلان جانتے تھے، اسلیے اسکو چھپاتے تھے،

۴- محدثین کا خیال تھا کہ زبانی یادداشت تحریری یادداشت سے زیادہ محفوظ صورت ہے کیونکہ تحریری یادداشت کی حفاظت غیرون سے ممکن نہین، کیونکر ہوسکتا ہے کہ کوئی اس مین کمی بیشی کر دے، مگر جو نقوش دلوں کی لوحوں پر کندہ ہوگئے ان مین پھر تغیر تبدل ممکن نہین،

حضرات! آج اردو میں پہلی دفعہ، آپکی مجلس مین، اور سب سے پہلے آپ کی مجلس مین اس حقیقت کو آشکارا کرنا چاہتا ہون کہ یہ قطعاً غلط ہے کہ سو برس یا نوے برس تک وقائع و اقوال نبوی کا دفتر صرف زبانی روایتون تک محدود رہا، اس غلط فہمی کا اصلی سبب یہ ہے کہ احادیث و اخبار نبوی کی پہلی کتاب امام مالکؒ کی موطا اور مغازی و سیرت مین ابن اسحاق کی کتاب المغازی سمجھی جاتی ہے، یہ دونون بزرگوار ہمعصر تھے، اور ان کی وفات بہ ترتیب ۱۷۹ھ اور ۱۵۱ھ مین ہوئی، اسلیے ان اخبار و سیر کی سب سے پہلی تدوین کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا اوائل سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس سے بہت پہلے ترتیب و تدوین اخبار و سیر کا سراغ لگتا ہے، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے ۱۰۱ھ مین وفات پائی وہ خود بڑے عالم تھے اور مدینہ کے امیر بھی رہ چکے تھے ۹۹ھ میں وہ خلیفہ ہوئے انھون نے اپنی خلافت کے زمانہ مین قاضی مدینہ ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو جو حدیث و خبر کے امام بھی تھے فرمان بھیجا کہ آنحضرت صلعم کے سنن و اخبار کی تحریر و تدوین کا کام شروع کر دو، کیونکہ مجھے رفتہ رفتہ علم کے فقدان کا خوف ہو رہا ہے (یہ واقعہ تعلیقات

بخاری، موطا، اور مسند دارمی وغیرہ مین مشہور ہے) چنانچہ دفاتر میں وہ لکھکر آئے، اور انکی نقلین تمام ممالک اسلامیہ کے مرکزی شہرون مین بھیجی گئی، (مختصر جامع بیان العلم ابن عبد الرحمن مصر) ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کا انتخاب اس کام کے لیے اسلیے ہوا کہ وہ خود امام تھے، مدینۃ العلم مدینہ منورہ مین قاضی وقت تھے لیکن اس کے علاوہ اسلیے بھی ہوا کہ حضرت عائشہؓ کی سب سے بڑی شاگرد تابعیہ عمرہ انکی خالہ تھین، اور اونکی روایتین جو حضرت عائشہؓ سے تھین انکا سرمایہ ان کے پاس پہلے سے جمع تھا، چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان کو خاص ان عمرہ کی روایتون کے متعلق بھی حکم دیا تھا،

عہد نبوی کا تحریری سرمایہ

آگے بڑھکر ہم دعوی کرتے ہین کہ خود عہد نبوی ہی مین اخبار و سیر اور احکام و سنن کا تحریری سرمایہ جمع ہونا شروع ہو چکا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے ایک موقع پر خطبہ دیا تھا صحیح بخاری مین ہے کہ ابو شاہ ایک یمنی صحابی کی درخواست پر آپ نے یہ خطبہ لکھکر ان کے حوالہ کرنے کا حکم دیا، (باب کتابۃ العلم) آنحضرت صلعم نے سلاطین عالم کے نام جو خطوط روانہ کیے وہ لکھے ہوئے تھے، دس پندرہ برس ہوئے کہ ایک خط پرانے عربی خط مین لکھا ہوا ملا، جسمین بعینہ آنحضرت صلعم کے خط کی وہی عبارت ہے اور اسی طرح دستخط ہین، جس طرح حدیثون مین ان کا بیان آیا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہین کہ عبد اللہ بن عمرو بن عاص کے سوا مجھ سے زیادہ کسی کو حدیث یاد نہین، ان کے پاس حدیثون کا سرمایہ مجھ سے زیادہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ لکھتے جاتے تھے، اور مین لکھتا نہ تھا (بخاری باب کتابۃ العلم) ابو داؤد اور مسند ابن حنبل مین ہے کہ بعض لوگون نے اُنسے کہا کہ آنحضرت صلعم کبھی غصہ مین ہوتے ہین، کبھی خوش رہتے ہین اور تم سب کچھ لکھ لیتے ہو، عبد اللہ بن عمرو نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا، اور آنحضرت صلعم سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق نکلتا ہے، (ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۷۷) عبد اللہ بن عمروؓ نے اپنے اس مجموعہ کا نام **صادقہ** رکھا تھا، (ابن سعد ج ۲ قسم ۲ ص ۱۲۵) اور کہا کرتے تھے کہ مجھے اپنی زندگی کی آرزو صرف دو چیزون نے پیدا کر دی ہے، جنمین سے

ایک یہ صادقہ ہے اور صادقہ وہ صحیفہ ہے جو مین نے رسول اللہ صلعم سے سنکر لکھا ہے (دارمی ۶۹) مجاہد
کہتے ہین کہ ہمنے عبداللہ بن عمرو صحابی کے پاس ایک کتاب رکھی دیکھی، دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ بولے
یہ صادقہ ہے جسکو مین نے خود آنحضرت صلعم سے سنا جسمین میرے اور آپکے درمیان کوئی دوسرا نہین ہے
(ابن سعد ۴-۲-۱۲۵) صحیح بخاری مین ہے کہ آپ نے مدینہ آنے سے کچھ مدت بعد مسلمانون کی مردم شماری
کرائی اور ان کے نام لکھوائے تو پندرہ سو ہوئے (باب الجہاد) زکوٰۃ کے احکام اور مختلف چیزون پر زکوٰۃ
کی مختلف شرحین جو پورے دو صفحون پر تحریر ہین، وہ پوری تشریح لکھکر آنحضرت صلعم نے امراکو بھیجی تھی، اور وہ
حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس، ابوبکر بن عمرو بن حزم کے خاندان مین اور متعدد اشخاص کے پاس موجود
تھی (دارقطنی کتاب الزکاۃ ۲۰۹) محصلین زکوٰۃ کے پاس دیگر ہدایتین بھی تحریری موجود تھین (دارقطنی
۲۰۰) حضرت علیؓ کے پاس ایک صحیفہ تھا جو انکی تلوار کے نیام مین پڑا رہتا تھا، اسمین متعدد حدیثین متعلق
احکام قلمبند تھین اور انھون نے اسکو لوگون کی درخواست پر ان کو دکھایا، (بخاری ۲ صفحہ ۱۰۸۴)
حدیبیہ مین جو صلحنامہ آنحضرت صلعم اور کفار قریش کے درمیان حضرت علیؓ نے لکھا تھا، اسکی ایک نقل قریش نے
لی اور ایک آنحضرت صلعم نے اپنے پاس رکھی، (ابن سعد مغازی ص ۷۱) عمرو بن حزم کو جب رسول اللہ صلعم نے
یمن کا حاکم بناکر بھیجا تو ایک تحریر لکھکر حوالہ کی جسمین فرائض، صدقات، دیات وغیرہ کے متعلق بہت سی
ہدایتین تھین (کنز العمال ۳ ص ۱۸۶) عبداللہ بن الحکم کے پاس رسول اللہ صلعم کا نامہ پہنچا جس مین مردہ جانور
کے متعلق حکم درج تھا (معجم صغیر طبرانی ۲۱۰) وائل بن حجر صحابی جب بارگاہ نبوی سے واپس ہوکر اپنے
وطن حضرموت جانے لگے تو آنحضرت صلعم نے ان کو خاص طور پر ایک نامہ لکھواکر دیا جس مین نماز، روزہ، ربوا،
شراب اور دیگر احکام تھے، (طبرانی صغیر ۲۴۲) ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے مجمع سے پوچھا کہ کسی کو معلوم ہے کہ
آنحضرت صلعم نے شوہر کی دیت مین سے بیوی کو کیا دلایا؟ ضحاک بن سفیان نے کھڑے ہوکر کہا مجھے
معلوم ہے آنحضرت صلعم نے ہم کو یہ لکھکر بھیجا تھا (دارقطنی ۲-۴۸۵)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنے عہد خلافت (۹۹ھ-۱۰۱ھ) مین آنحضرت صلعم کے فرمان متعلق
صدقات کی تلاش کے لیے اہل مدینہ کے پاس قاصد بھیجا تو وہ آل عمرو بن حزم کے ہان مل گیا (دارقطنی ۲۰۴)
آپ نے اہل یمن کو جو احکام لکھواکر بھجوائے تھے، ان مین یہ مسئلے تھے، قرآن صرف پاکی کی حالت مین چھوا
جائے، غلام خریدنے سے پہلے آزاد نہین کیا جا سکتا، اور نکاح سے پہلے طلاق نہین (دارمی ۲۹۳) حضرت معاذؓ
نے آنحضرت صلعم سے لکھکر غالباً یمن سے یہ دریافت کیا کہ کیا سبزیون پر زکوٰۃ ہے، آپنے جواب دیا کہ
سبزیون پر زکوٰۃ نہین، (دارقطنی ۲۰۵) مروان نے خطبہ مین بیان کیا کہ مکہ حرم ہے، رافع بن خدیج صحابی
نے پکار کر کہا، اور مدینہ بھی حرم ہے، اور یہ بیان میرے پاس لکھا ہوا موجود ہے اگر تم چاہو تو مین اسکو پڑھکر
سناؤن، (ابن حنبل ۴ ص ۱۴۱) ضحاک بن قیس نے نعمان بن بشیر صحابی کو لکھا کہ آنحضرت صلعم جمعہ کی نماز
مین سورۂ جمعہ کے سوا اور کون سورہ پڑھتے تھے انھون نے جواب دیا کہ ھل اتاک (مسلم ۳۲۲) حضرت
عمرؓ نے عتبہ بن فرقد کو خط لکھا کہ آنحضرت صلعم نے حریر سے منع فرمایا ہے (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۰۷)

حضرات! یہ وہ احکام و مسائل ہین جو آنحضرت صلعم نے مختلف لوگون کو لکھواکر دئے یا بھجوائے ہمارے
پاس ایسے شواہد بھی ہین، جنسے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے صحابہ احکام و سنن کو کتابی صورت مین لائے
یا لانا چاہا، حضرت ابوبکرؓ نے ایک مجموعہ اپنے زمانۂ خلافت مین مرتب کیا، پھر اس کو ناپسند کیا اور مٹا دیا (تذکرۃ
الحفاظ) حضرت عمرؓ نے اس مسئلہ پر اپنے زمانۂ خلافت مین غور کیا، اور بہت کچھ سوچتے رہے، مگر پھر ہمت نہ کی،
ابھی آپ سن چکے ہین کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے خود آنحضرت صلعم کی اجازت سے ایک نسخہ لکھا تھا جسمین آپکے
ملفوظات تھے، مختلف لوگ اس کو دیکھنے آتے تھے اور وہ اسکو دکھاتے تھے (ترمذی ۲-۵۸۶) حضرت علیؓ
کے فتاوی کا بڑا حصہ لکھا ہوا حضرت ابن عباسؓ کی خدمت مین لایا گیا (مسلم مقدمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ
کی روایتون کے مختلف تحریری مجموعے تھے، اہل طائف مین سے کچھ لوگ ان کا ایک مجموعہ ان کو پڑھکر
سنانے کے لئے لائے، (کتاب العلل ترمذی ۶۹۱) سعید بن جبیرؓ ان کی روایتون کو لکھا کرتے تھے (دارمی ۶۹)

عبداللہ بن عمروؓ کا صحیفہ صادقہ ان کے پوتے عمرو بن شعیب کے پاس موجود تھا (ترمذی ۷۱ و ۱۱۳) اور یہ
یہ اسلیے ضعیف سمجھے جاتے تھے کہ وہ اپنے دادا کی کتاب دیکھکر روایت کرتے ہین خود حافظ نہین ہین
(تہذیب ۸ - ۴۹) حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایتون کا مجموعہ وہب تابعی نے تیار کیا تھا جو اسمعیل بن
عبدالکریم کے پاس تھا، اور اسلیے وہ ضعیف سمجھے جاتے تھے، (تہذیب ا ص ۳۱۶) حضرت جابرؓ کی روایتون
کا دوسرا مجموعہ سلیمان بن قیس یشکری نے تیار کیا تھا، اور ابو الزبیرؓ ابوسفیان اور شعبی نے جو ائمہ حدیث
مین ہین اور تابعی ہین، ان سبھون نے حضرت جابرؓ کے صحیفہ کو ان سے سنا تھا، (تہذیب ج ۶ ص ۲۱۱) سمرہ
بن جندب صحابی سے ان کے بیٹے سلیمان روایتون کا ایک نسخہ روایت کرتے ہین اور ان سے ان کے
بیٹے حبیب (تہذیب ۴ ص ۱۹۸) حضرت ابوہریرہؓ جن سے زیادہ صحابہ مین کوئی حافظ حدیث نہ تھا، انکی
روایتون کا کچھ مجموعہ ہمام بن منبہ نے تیار کیا تھا، جو **صحیفہ ہمام** کے نام سے احادیث مین مذکور ہے اور
جس مین سے امام ابن حنبل نے مسند جلد ۲ مین صفحہ ۳۱۲ سے صفحہ ۳۱۸ تک نقل کیا ہے، بشیر بن نہیک
نے حضرت ابوہریرہ سے انکی روایتون کا مجموعہ لکھا، اور اسکی روایت کی ان سے اجازت لی (کتاب العلل
ترمذی ۶۹۱ دارمی ۶۸) حضرت ابوہریرہ ایک دفعہ ایک صاحب کو اپنے مستقر پر بلا کر لائے اور دکھایا
کہ یہ اوراق میرے مرویات ہین، راوی کہتا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ کے نہین، بلکہ کسی اور کے ہاتھ کے لکھے ہوئے
تھے، (فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۱۸۴ و ۱۸۵)

حضرت انسؓ دوسرے صحابی ہین جنسے بکثرت روائتین ہین، وہ خود اپنے بیٹون کو کہا کرتے تھے،
کہ میرے بچو علم کو تحریر کے قید و بند مین لاؤ، (دارمی ۶۸) ابان ان کے شاگرد ان کے سامنے بیٹھکر انکی روائتین
قید تحریر مین لایا کرتے تھے، (دارمی ۷۰) سلمی ایک خاتون کہتی ہین کہ انھون نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو
دیکھا کہ وہ ابورافع آنحضرت صلعم کے غلام سے آنحضرت صلعم کے کارنامے لکھا کرتے تھے، (ابن سعد ۲، قسم ۲
۱۲۳) واقدی سیرۃ نبوی کے بڑے مصنفین مین سے ایک بیان کرتا ہے کہ منذر بن ساوی رئیس عمان کے

نام آنحضرت صلعم نے یہ خط لکھا تھا، وہ ابن عباس کی کتابون کے ساتھ مین نے دیکھا (زاد المعاد ۲-۵۷)
غزوہ بدر کا مفصل حال عروہ بن زبیرؓ نے لکھکر خلیفہ عبدالملک کو بھیجا تھا، (طبری ۱۲۸۵)

عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرت صلعم کے خدام خاص مین تھے، اور ان کو آنحضرت صلعم کی بارگاہ مین
حاضری کا اذن عام تھا، ان کو شکایت تھی کہ لوگ میرے پاس آکر سن جاتے ہین، اور پھر اسکو جاکر
لکھ لیتے ہین اور مین قرآن کے سوا کسی اور چیز کے لکھنے کو حلال نہین جانتا، (دارمی ۶۷) سعید بن جبیر تابعی
کہتے ہین کہ مین حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ابن عباس سے رات کو روائتین سنتا تھا تو پالان پر لکھتا تھا،
صبح کو پھر مین اسکو صاف کر لیتا تھا، (دارمی ۶۹) براء بن عازب صحابی کے پاس لوگ بیٹھکر انکی روایتون
کو لکھا کرتے تھے، (دارمی ۶۹) نافع جو حضرت ابن عمرؓ کی خدمت مین ۳۰ برس رہے تھے، وہ اپنے سامنے
لوگون کو لکھوایا کرتے تھے، (دارمی ۶۹) عبداللہ بن مسعودؓ کے صاحبزادہ عبدالرحمان ایک کتاب نکال
لائے اور قسم کھا کر کہا یہ خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، (جامع ۳۴) سعید بن جبیر
کہتے ہین کہ ہم لوگون مین بعض باتون مین اختلاف ہوتا تھا تو ان کو لکھتے تھے، پھر حضرت ابن عمرؓ کے
پاس اس یادداشت کو چھپا کر لاتے تھے، اور ان سے پوچھتے تھے، اگر ان کا پتہ چل جاتا تو بس ہمارے
ان کے درمیان فیصلہ ہی تھا، (جامع ۳۳) اسود تابعی کہتے ہین کہ مجھکو اور علقمہ کو ایک صحیفہ مل گیا اسکو
لیکر ان کے پاس آئے تو انھون نے مٹا دیا، (جامع ۳۳) حضرت زید بن ثابتؓ کاتب وحی تھے ان کو
بھی روایتون کو تحریر مین لانے سے انکار تھا تو مروان نے یہ تدبیر کی کہ انکو سامنے بیٹھایا اور پردہ کے
پیچھے کاتب مقرر کئے کہ وہ جو بولتے جائین یہ لکھتے جائین (جامع ۳۲) اسی طرح حضرت معاویہؓ نے
بھی ان کی ایک حدیث اسی طریقے سے لکھوائی تھی، لیکن انھون نے زبردستی مٹوا دی (احمد ۵ ص ۱۸۲)

حضرات! شاید آپ ٹھوس واقعات اور اشخاص کے نام سنتے سنتے گھبرا اٹھے ہون، لیکن اطمینان
رکھیے کہ اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہین جہان سے صاف اور سیدھا راستہ نظر آ رہا ہے، مین نے ان

اقتباسات اور حوالون مین یہ دکھایا کہ تحریری ہی سرمایہ اگر قابلِ وثوق دنیا مین ہوسکتا ہے، تو خود عہد نبوی مین خود صحابہ نے اپنے ہاتھون سے اسکو جمع کیا، اور پچھلون کے لیے یادگار چھوڑا، اور پچھلون نے اپنی کتابون مین داخل کرلیا، اب ہم یہ کہنا چاہتے ہین کہ صحابہ ہی کی زندگی مین تابعین نے ان کی تمام مرویات، واقعات، حالات کو ایک ایک سے پوچھکر، ایک ایک کے دروازہ پر جاکر، بوڑھے جوان، عورت مرد سب سے تحقیق کرکے، ہمارے لیے خزانہ فراہم کردیا، محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قیس بن ابی حازم، عطار بن ابی رباح، سعید بن جبیر، ابو الزناد، وغیرہ سینکڑون تابعین ہین جنھون نے دیوانہ وار ایک ایک گوشہ سے دانہ دانہ جمع کیا، اور ہمارے سامنے اس کا انبار لگادیا، ابن شہاب زہری جو حدیث وسیرت کے بڑے امام ہین، انھون نے آنحضرت صلعم کی ایک ایک چیز کو لکھا، ابو الزناد کہتے ہین کہ ہم صرف حلال وحرام لکھتے رہتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے وہ سب لکھتے جاتے تھے (جامع ۱ص ۷۳) ابن کیسان کہتے ہین کہ مین اور زہری طلب علم مین ساتھ تھے، ہمنے کہا کہ ہم سنن لکھین گے، چنانچہ جو کچھ آنحضرت صلعم سے متعلق تھا سب لکھا، زہری نے کہا صحابہ سے جو کچھ متعلق ہے وہ بھی لکھین کہ وہ بھی سنت ہے ہم نے کہا یہ سنت نہین، چنانچہ ہمنے نہین لکھا، انھون نے لکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامیاب ہوئے، اور مین برباد ہوگیا، (ابن سعد ۲ قسم ۲ ص ۱۳۵) ان امور کو قید تحریر مین لانے والے سینکڑون تابعی تھے جنمین سے ایک امام زہری ہین، صرف ان کی تحریرون کا انبار اتنا تھا کہ ولید بن یزید کے قتل کے بعد زہری کے یہ دفتر جانورون پر بار کرکے خزانہ سے لائے گئے،

امام زہری سنہ ۵۰ھ مین پیدا ہوئے اور سنہ ۱۲۴ھ مین وفات پائی، وہ نسباً قریشی تھے، انھون نے جس محنت اور استقصا سے آنحضرت صلعم کے حالات اور اقوال جمع کئے، اوس کا اندازہ مؤرخین کے اس بیان سے کرو کہ وہ مدینہ منورہ کے ایک ایک انصاری کے گھر جاتے جوان، بڈھے، عورت، مرد، جو مل جاتا یہان تک کہ پردہ نشین عورتون سے جاکر آنحضرت صلعم کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلمبند کرتے

(تہذیب ترجمۂ زہری) اس زمانہ مین بکثرت صحابہ زندہ تھے، زہری کے تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے اور یہ کل کے کل روز وشب آنحضرت صلعم کے اقوال، افعال اور احوال کی جمع وترتیب تعلیم وتدریس، اور نشر واشاعت مین مشغول تھے، یہی ان کی زندگی کا کام تھا، اس کے سوا دنیا کے ہر کام سے منکفکش ہوگئے تھے،

غلط فہمی کا بڑا سبب یہ ہے کہ عام لوگ یہ سمجھتے ہین کہ احادیث وسیر کی تدوین وتحریر کا کام تابعین نے شروع کیا، اور تابعین ان کو کہتے ہین جنھون نے صحابہ کو دیکھا اور ان سے فیض پایا، اور صحابہ کا زمانہ سو برس تک تقریباً رہا تو گویا تابعین کا عہد سو برس کے بعد شروع ہوا، اور اس طرح گویا تدوین وتحریر کے سلسلہ کا سو برس کے بعد آغاز ہوا، حالانکہ یہ تمامتر غلط ہے، تابعین ان کو کہتے ہین جنھون نے آنحضرت صلعم کی زیارت کا شرف حاصل نہین کیا، اور صحابہ کی زیارت کی اور ان سے مستفید ہوئے، عام اس سے کہ وہ آنحضرت صلعم کے زمانہ مین ہون، مگر زیارت کا موقع نہ ملا، یا عہد نبوی کے آخر مین پیدا ہوئے اسلئے آپ سے مشرف نہ ہوئے، یا آپ کی وفات ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کے بعد پیدا ہوئے، وہ سب تابعین مین داخل ہین، اس طرح دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ تابعین کا عہد خود آپکی زندگی ہی مین اور کم سے کم یکم سنہ ۱۱ھ سے شروع ہوگیا، اسلیے سنہ ۱۱ھ سے جو کام شروع ہوا اسکے متعلق یہ کہہ سکتے ہین کہ تابعین نے اس کام کا آغاز کیا، تابعین کا کارنامہ ہونے کے لیے ایک ایک صحابی کے دنیا سے رخصت ہوجانے کی ضرورت نہین اور نہ سو برس کا زمانہ گذارنے کی حاجت ہے، وہ تو تابعیت کا آخری عہد ہے، جس کے بعد تابعیت کے شرف کا خاتمہ ہوچلا ہے، کیونکہ صحابہ کے وجود کا خاتمہ ہوگیا، جنکے دیدار کے شرف سے لوگ تابعی بنتے تھے،

الغرض یہ کہنا صحیح نہین کہ اخبار وسیر کی تدوین سو برس کے بعد شروع ہوئی بلکہ مسلمانون مین اخبار وسیر کی ترتیب اور تدوین کے درحقیقت تین دور ہین اول یہ کہ ہر شخص نے صرف اپنے ذاتی معلومات کو یکجا کیا، دوسرا دور یہ آیا کہ ہر شہر کے معلومات ایک جگہ فراہم کئے گئے، تیسرا دور آیا جب تمام دنیائے اسلام کے معلومات اکٹھا کئے گیے، اور انکو موجودہ کتابون کی صورت مین جمع کیا گیا، پہلا دور غالباً

سنہ۱۰۰ھ تک قائم رہا، دوسرا دور سنہ۱۵۰ھ تک رہا اور تیسرا دور سنہ۱۵۰ھ سے تیسری صدی کے کچھ دنون بعد تک قائم رہا، پہلا دور صحابہ اور اکابر تابعین کا تھا، دوسرا دور تبع تابعین کا تھا اور تیسرا دور امام بخاری، امام مسلم امام ترمذی، امام احمد بن حنبل وغیرہ کا تھا، پہلے دور کا تمام سرمایہ دوسرے دور کی کتابون مین محفوظ اور دوسرے دور کی کتابون کی حدیثین تیسرے دور کی کتابون مین کھپادی گئی ہین، اور دوسرے اور تیسرے دور کی کتابون کا سرمایہ آج ہزارون اوراق مین ہمارے پاس موجود ہے، اور دنیا کی تاریخ کا سب سے گران بہا معتبر تر مستند تر ذخیرہ ہے، جس سے زیادہ مستند اور معتبر دنیا کی تاریخ کے خزانہ مین کوئی اور ذخیرہ نہین

شعر الہند

حصۂ اول

از

مولانا عبد السلام ندوی،

جس میں قدماء کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کتابت و طباعت اور کاغذ اعلیٰ ہے ضخامت ۵۸۴ صفحے قیمت للعہ،

"منیجر"

اجماعی مساحت ذہنی،

(۲)

از

جناب ظفر حسین خان صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس فتحپور

بہ قول ڈاکٹر بیلارڈ[1]، انفرادی مساحت ذہنی کی تدوین کو جو نسبت فرانس سے ہے وہی نظام اجماعی کو امریکہ سے ہے، گذشتہ جنگ کے عدیم المہلت زمانہ میں جب مختلف استعداد و قابلیت کے امیدوار فوج میں بھرتی ہونے کے لیے جوق جوق آنے لگے تو اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہر شخص کو اسکی قابلیت کے مطابق فوجی تعلیم دیجائے، اور جو سرے سے فوجی خدمات کی انجام دہی کا اہل نہ ہو، اسے فوراً جواب دیدیا جائے، چنانچہ فوجی محکمہ کے ماتحت، عارضی طور پر "سررشتۂ نفسیات" قائم کیا گیا، جس کا فرض تھا کہ امیدوار کی قابلیت پر رپوٹ کرے، ظاہر ہے کہ اگر انفرادی نظام سے کام لیا جاتا، جس میں ایک معمول کی آزمائش پر ۴۰ منٹ سے لیکر ایک گھنٹہ تک صرف ہوتا ہے تو کسی طرح کام نہیں چلتا، چنانچہ ماہرین نفسیات کی کمیٹی نے کافی غور و خوض اور چند ماہ کے تجربہ کے بعد فوجی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے، ایک اجماعی مساحت ذہنی کا نظام مدون کیا، چونکہ امیدوار، خواندہ و ناخواندہ دونوں طرح کے ہوتے تھے، اسلیے دو قسم کے امتحان تیار کئے گیے، "الف" خواندہ کے لیے اور "ب" ناخواندہ امیدواروں کے لیے، "ب" تقریباً کلی مساحت ذہنی کے اصول پر تھا، اس میں عبارت کے بجائے شکلوں، نقشوں اور خطوط سے کام لیا گیا تھا، اور یہ سب اس قدر سادہ اصول پر تھا کہ ممتحن اپنا منشا اشاروں میں سمجھا سکتا تھا

[1] انگلستان میں اجماعی مساحت ذہنی پر ڈاکٹر بیلارڈ نے ایک مبسوط رسالہ لکھا ہے، اس کے علاوہ اس موضوع پر انکی متعدد تصنیفات ہیں؛

اور اس طرح پر زبان سے ناواقف لوگ بھی اس امتحان میں شریک ہو سکتے تھے، دورانِ جنگ میں سررشتۂ نفسیات نے ۱،۷۲۶،۹۶۶ امیدواروں کا امتحان لیا، قابلیت کے لحاظ سے امیدوار حسب ذیل اقسام میں تقسیم کئے گئے،

الف = نہایت اعلیٰ ذہانت کے افراد، جو اعلیٰ ذمہ داریوں کے عہدوں پر مامور ہو سکتے ہیں،

ب = اعلیٰ ذہانت کے افراد جنکو کمیشن دیا جا سکتا ہے،

س + = اوسط ذہانت سے بلند، بلا کمیشن کے افراد جنہیں سے بعض کمیشن تک ترقی کر سکتے ہیں،

س = اوسط ذہانت والے، جو پرائیویٹ کے فرائض بخوبی انجام دے سکتے ہیں اور جنہیں سے بعض بلا کمیشن کے عہدوں تک ترقی کر سکتے ہیں،

س- = اوسط ذہانت سے پست جو "پرائیویٹ" کے معمولی فرائض انجام دے سکتے ہیں اور جو روز مرہ کے معمولی کام انجام دے سکتے ہیں،

ڈ = ادنیٰ ذہانت کے افراد جو معمولی سپاہیوں کے فرائض کی انجام دہی کی صلاحیت رکھتے ہیں،

ڈ ادنی = نہایت ادنی ذہانت کے افراد، مٹی ڈال والوں سے ادنی درجہ کے کام چل سکتے ہیں،

گروپ ی نمبر کے امیدوار ناکارہ ہیں جو یا تو بٹیلین کے ان کاموں کو انجام دے سکتے ہیں، جنہیں ذہانت درکار نہیں ہے اور یا برطرف کر دینے کے قابل ہیں۔

امتحان الف اور ب کی آزمائشیں ایک چھوٹی سی کاپی کے صفحات پر چھپی ہوئی تھیں، ہر آزمائش کے اوپر بطور نمونہ مثالیں حل ہوئی تھیں، ان کاپیوں کے نسخے امیدواروں کو تقسیم کر دیے جاتے تھے، ہر آزمائش کا وقت مقرر ہوتا تھا، وقت ختم ہو جانے پر ممتحن، ورق الٹنے کو کہتا تھا، جسکی فوراً تعمیل کرنا ہوتی تھی، امتحان الف میں آٹھ آزمائشیں تھیں، جنکے تحت میں ۲۱۲ سوالات تھے اور کل وقت ۲۳ منٹ ۱۵ سکنڈ تھا، آزمائشوں کے درمیانی وقفوں اور ضروری ہدایات وغیرہ دینے کا وقت شامل کر کے پورا وقت ۵۰ منٹ سے متجاوز نہیں ہوتا تھا، چنانچہ اس قلیل مدت کے اندر پانچ پانچ سو آدمیوں کا امتحان ایک ساتھ

ہو سکتا تھا،

حال میں ایک مڈل اسکول کے طلبا کو حسب ذیل اجتماعی آزمائشیں دیگئی تھیں، بطور نمونہ یہاں قلمبند کیجاتی ہیں،

آزمائش اوّل

ذیل میں تین لفظ دیے ہوتے ہیں جو پہلے لفظ کو دوسرے سے نسبت ہے وہی تیسرے کو چوتھے سے نسبت ہے جو کہ محذوف ہے، وہ چوتھا لفظ بتاؤ،

مثلاً

چھت : مکان :: ٹوپی : سر،

برف : سفیدی :: گھاس : سبزی،

(۱) کھانا : روٹی :: پینا : (۲) جولائی : مہینہ :: جمعہ : (۳) کامیابی : ناکامیابی :: خوشی : (۴) شمال : جنوب :: دائیں : (۵) علم : جہالت :: روشنی : (۶) جمع : تفریق :: ضرب : (۷) آلو : ترکاری :: گھوڑا : (۸) درخت : پتے :: کتاب : (۹) باپ : بیٹا :: ماں : (۱۰) آگ : دھواں :: پانی : (۱۱) مرغ : شمع :: تیل : (۱۲) گانا : بولنا :: نظم :

آزمائش دوم

پانچ تصورات میں سے متوسط تصور نکالو، مثلاً منٹ، سکنڈ، برس، گھنٹہ، ہفتہ کو ترتیب دیجائے تو یہ ہوگی :

سکنڈ، منٹ، گھنٹہ، ہفتہ، برس، لہذا تصور متوسط گھنٹہ ہوا، یہی جواب ہے علی ہذا،

آنہ، پائی، چونی، دونی، روپیہ میں متوسط شے "دونی" ہے،

(۱) صفحہ، کتاب، متن سطر، لفظ، (۲) مکان، گلی، کمرہ، قصبہ، شہر،

(۳) ناشپاتی، خربوزہ، انگور، تربوز، کالی مرچ (۴) ہیڈ ماسٹر، سکنڈ ماسٹر، طالب علم، ڈپٹی انسپکٹر، انسپکٹر،

آزمائش سوم

سلسلۂ اعداد دو درجہ تک مکمل کرو، مثلاً ۱، ۲، ۳، ۴۔ کے آگے دو درجے ۵-۶ ہیں،

(۱) ۱-۳-۵-۷ - (۲) ۸-۷-۶-۵ .... (۳) ۲-۴-۱۶-۶۴ ... (۴) ۳۲-۱۶-۸-۴ ... (۵) ۳۰-۲۵-۲۰-۱۵ ....

آزمائش چہارم

(۱) تین لڑکے پاس پاس بیٹھے ہیں، لچھمن رام کے بائیں جانب، ہری داس لچھمن کے بائیں جانب، تو بتاؤ بیچ میں کون بیٹھا ہے،

(۲) احمد کی بہن کا نام زہرہ، بھائی کا نام محمود، اور چچازاد بھائی کا نام حامد ہے،

(ا) زہرہ کے چچازاد بھائی کا نام بتاؤ،

ب، محمود کی بہن کا کیا نام ہے،

س، حامد اور محمود میں کیا رشتہ ہے،

د، محمود کے بھائی کا کیا نام ہے،

ل، حامد کے چچازاد بھائیوں کے نام کیا ہیں،

(۳) ایک شخص ایک بائیسکل پر جس کا ایک پہیہ چھوٹا اور ایک بڑا تھا ایک میل گیا تو بتاؤ

ا۔ کس پہیہ نے زیادہ گردش کی،

ب، کس پہیہ نے جلد راستہ طے کیا،

آزمائش پنجم

(تخئیل)

(۱) اگر کوئی لڑکا اپنے سر کے بل کھڑا ہو اور اس کا منہ جنوب کی سمت ہو تو بتاؤ اس کے داہنے ہاتھ کی جانب کونسی سمت ہوگی،

(۳) یہ چھ شکلیں آئینہ میں کیسی معلوم ہوں گی،

S P M.V N H

(۳) ایک دفتی کا کٹا ہوا مثلث ہے جو ایک جانب سے سرخ اور دوسری جانب سے سبز ہے، ل، وہ شکل ہے جب سرخ جانب اوپر ہوتی ہے اور س، وہ شکل ہے جب سبز جانب اوپر ہوتی ہے،

تو بتاؤ کہ حسب ذیل شکلوں میں کون سا رنگ پیش نظر ہے،

آزمائش ششم،
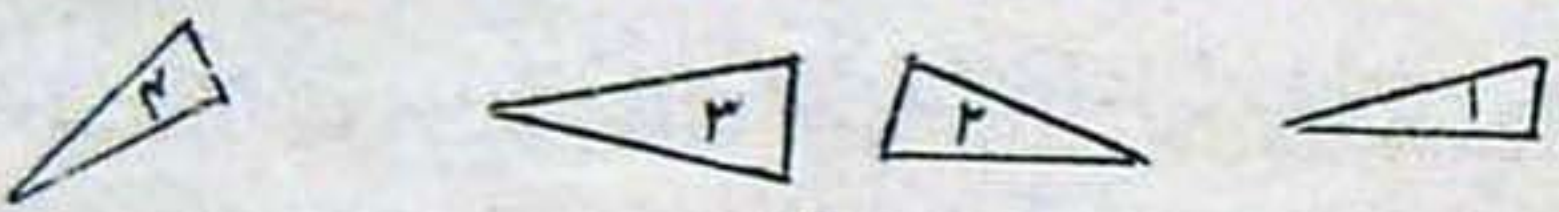
(مغالطات،)

(۱) اگر ایک سپاہی نے اپنی ماں کو خط لکھا کہ اے ماں میں یہ خط لکھ رہا ہوں اور میرے ایک ہاتھ میں بندوق اور دوسرے ہاتھ میں تلوار ہے،

(۲) ایک گاڑی والا کہتا تھا کہ میری گاڑی میں جتنا بوجھ زیادہ ہوتا ہے اتنی ہی تیز چلتی ہے،

(۳) ایک مرتبہ پولیس کو ایک لاش ملی جس کے آٹھ ٹکڑے تھے، پولیس والوں نے خیال کہ اس شخص نے ضرور خودکشی کی ہے،

(۴) ایک شخص کے پاس ریل کے ٹکٹ کے دام نہ تھے، اس نے خیال کیا کہ اگر میں پھاٹک میں سے الٹے پاؤں نکلوں گا تو بابو یہ نہ سمجھینگے کہ میں باہر جا رہا ہوں بلکہ یہ سمجھکر کہ میں اندر آ رہا ہوں ٹکٹ نہ مانگیں گے

(۵) ایک شخص نے اپنے رومال میں یادداشت کے لیے ایک گرہ باندھی، اُسے خیال آیا کہ

پہلی مرتبہ اس نے ایک گرہ باندھی تھی تو وہ بھول گیا تھا، اسلیے اس مرتبہ دو باندھنا چاہیے تاکہ یاد رہے،

(۶) دنیا بڑی احسان فراموش ہے، اسلیے کہ مرنے کے بعد انسان کی قبر پر پھول چڑھائے جاتے ہیں،

(۷) چاند، سورج سے زیادہ کارآمد ہے، اسلیے کہ وہ ہم کو رات کو روشنی دیتا ہے جبکہ روشنی کی زیادہ ضرورت ہے، درآنحالیکہ سورج دن کو روشنی دیتا ہے جب ہمیں روشنی کی مطلق ضرورت نہیں ہے،

(۸) ایک مرتبہ ایک صاحب کہنے لگے کہ عرصہ ہوا، رمضان کا مہینہ محرم میں پڑا تھا اور روزہ داروں کو خوب شربت پینے کو ملا تھا،

حرفی مساحت ذہنی،

انگلستان کے مشہور اہل قلم، ڈاکٹر جانسن کی نسبت مشہور ہے کہ وہ ایک بار کہنے لگے کہ "اگر نیوٹن شاعری کی جانب متوجہ ہوتا، تو وہ ایک عظیم الشان مثنوی کا مصنف ہوتا" حاضرین میں سے ایک صاحب معترض ہوئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، ہر کسے را بہر کارے ساختند؛ کوئی اپنے تبحر علمی کے واسطے ممتاز ہوتا ہے، کوئی قوت تنقید کے لیے، اور کوئی قوت تخییل کے لیے، ڈاکٹر جانسن نے جواب دیا، "نہیں جناب، یہ بات نہیں ہے، دراصل دو آدمیوں میں دماغ کا فرق ہوتا ہے، کسی کا دماغ "زیادہ" ہوتا ہے اور کسی کا "کم"، زیادہ دماغ والا اپنے دماغ کو جس کام میں لگائے گا برابر کامیاب ہوگا، جناب! جس شخص کے پاؤں میں طاقت ہے، وہ مشرق کی جانب بھی اسی آسانی کے ساتھ جا سکتا ہے جیسے مغرب کی جانب!"

ڈاکٹر جانسن کچھ عالم نفسیات نہ تھا، لیکن اس نے ایک ایسے نکتہ کی جانب اشارہ کیا ہے، جس کے اکثر علمائے نفسیات آج قائل ہیں، امریکہ کے فوجی علمائے نفسیات نے اسی نقد پر امیدواروں کو انکے مدارج ذہانت کے اعتبار مختلف کاموں کے لیے تجویز کیا تھا، جو گذشتہ صفحات میں مذکور ہوا،

ان ماہرین نفسیات نے ۷۰۰۰ افراد کو جن کا ذہنی خارج قسمت بہت پست تھا، کسی کام کے لائق نہ پاکر، علٰحدگی کی رپورٹ کی، جب کہ قریب بیس ہزار کے ایسے افراد تھے جو اگرچہ اپنے ذہنی

خارج قسمت کے لحاظ سے کچھ زیادہ بلند نہ تھے لیکن موٹی عقل والے کاموں میں لگائے جا سکتے تھے،

قدیم علمائے نفسیات کا عقیدہ تھا کہ دماغ مختلف خانوں میں منقسم ہے جو مختلف قوا کا مستقر ہیں، چنانچہ علم کاسہ سر اسی غلط فہمی کا ایک شعبہ تھا، زمانہ حال کے ماہرین نفسیات "قوائے نفس" سے مراد، اس کے مختلف افعال لیتے ہیں، جو نفس سے من حیث الکل صادر ہوتے ہیں، چنانچہ، اس تقدیر پر "کل" نفس ادراک کرتا ہے نہ کہ اس کا کوئی جزو "کل" نفس تصور کرتا ہے، نہ کہ اس کا کوئی جزو اور "کل" نفس تصدیق کرتا ہے نہ کہ اسکا کوئی جزو،

علاوہ برین، چونکہ ہر فعل نفس کا "کلی" فعل ہوتا ہے، اس لیے، لازماً ہر فعل میں دیگر افعال نفس کا شائبہ، کم و بیش پایا جانا ضروری ہے، مثلاً توجہ کے عمل کی تحلیل کرو، تو اس کے اندر جذبی، نیز ارادی عناصر ملیں گے، توجہ کے ساتھ کسی قدر دلچسپی کا ہونا خواہ فطری ہو یا مصنوعی ضروری ہے، جو ایک جذبہ ہے اور اس کے مسلسل قیام کے لیے ارادہ شرط ہے، علی ہذا شعور کی ہر کیفیت میں، دیگر کیفیات کی آمیزش ضرور ہوتی ہے،

نفسیات صنعت و حرفت پر اس نظریہ کا اطلاق صاف ظاہر ہے یعنی یہ کہ جب کوئی شخص ہارمونیم بجاتا ہے یا گاڑی ہانکتا ہے یا کپڑا بنتا ہے یا کھیت کاٹتا ہے یا کسی اور کام کو انجام دیتا ہے تو اس کا پورا دماغ اس کام میں مشغول ہوتا ہے، نہ یہ کہ اس کے دماغ کا کوئی مخصوص "ٹکڑا" مشغول کار ہوتا ہے اور باقی اجزا گویا خواب غفلت میں پڑے ہوتے ہیں، چنانچہ حرفی نفسیات کا فرض ان اعمال نفس کا قدر مراتب دریافت کرنا ہے جو مختلف پیشوں کے فرائض کی انجام دہی میں متصور ہیں اور اسی لحاظ سے معمول کی موزونیت اور غیر موزونیت کی نسبت حکم لگایا جا سکتا ہے؛

ماہرین نفسیات کا دوسرا گروہ جس کے نزدیک اگرچہ یہ مسلم ہے کہ اعلیٰ درجہ کی ذہانت ہر پیشہ میں کامیابی کی ضامن ہے، اس امر کا قائل ہے کہ ہر پیشہ کے اندر ایک خاص طرز کی زندگی متصور ہے، اور معمول کی افتاد طبیعت، اور عادات راسخہ کے لحاظ سے، اسکی موزونیت یا غیر موزونیت کی نسبت

حکم لگایا جاسکتا ہے، چنانچہ صف ثانی کے ماہرین فن نے مختلف پیشوں کا نفسیاتی مطالعہ کیا ہے، اور پتہ لگایا ہے کہ کن کن پیشوں میں کون کون افعال ذہنیہ درکار ہیں، اور معمول کے نفس میں دیگر افعال کے ساتھ افعال مطلوب کا تناسب کیا ہے، اس طور پر "اقتصادی نفسیات" کی داغ بیل پڑ گئی ہے جو اگرچہ ابھی تک اپنی شش سالہ عمر بھی پوری نہیں کر چکی ہے، لیکن آیندہ دور جدید کے بہت سے مشکلات کا حل، اس کی ذات سے متوقع ہے،

اس ضمن میں چند تجربات کا ذکر، توضیحاً ضروری معلوم ہوتا ہے،

ماہر نفسیات پروفیسر منسٹر برگ سے ایک بحری کمپنی نے درخواست کی کہ وہ کمپنی کی ملازمت کے لئے ایسے امیدوار منتخب کریں جو فن جہاز رانی کے لئے موزوں ہوں، جو شخص جہاز رانی کی ضروریات سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ کون لوگ اس کام کے لائق ہیں اور کون خطرناک، ظاہر ہے کہ وہ شخص نہایت کامیاب جہاز ران ثابت ہو سکتا تھا جو دفعتہً کسی پیچیدہ واقعہ کے پیش آجانے، مثلاً غلیظ کہرہ میں، کسی دوسرے جہاز کے سامنے آجانے، پر مناسب تدبیر کر سکے، دو قسم کے آدمی بالکل ناکارہ ہیں، ایک تو وہ جو اگرچہ یہ جانتے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے، مگر مصیبت میں پھنسکر حواس باختہ ہو جاتے ہیں، اور ان سے کرتے دھرتے کچھ نہیں بن پڑتا، یہاں تک کہ فوری کارروائی کا وقت نکل جاتا ہے، اور بعد ازاں کچھ کرنا بے سود ہوتا ہے، دوسرے وہ لوگ جو فوری کارروائی کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں، مگر خطرہ کے اہمیت سے اس قدر متاثر ہو جاتے ہیں کہ بغیر کافی غور کئے، انتہائی عجلت کے ساتھ، اسی تدبیر پر عمل کر بیٹھتے ہیں، جو سب سے پہلے ان کے ذہن میں آتی ہے منسٹر برگ نے اس پیشہ کی ضروریات پر نفسیاتی نقطۂ نظر سے کافی غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ پیشہ کے فرائض حسب ذیل نفسی اعمال کو مستلزم تھے،

(۱) قوت امتیاز، (۲) ایتلافات افکار، (۳) حافظہ، (۴) ادراک (۵) سرعت فہم،

(۶) قلیل وقت میں صحیح فیصلہ کرنے کی قوت،

چنانچہ وہ معمول کے اندر، ان صفات کی سراغرسانی کے لئے ایک مناسب آزمایش وضع کرنے میں مشغول ہو گیا، اور کچھ عرصہ کے بعد اس کا نتیجۂ فکر، یہ آزمایش تھی،

چوبیس کارڈ، جو تاش کے پتوں کی طرح مساوی قد و قامت کے تھے، لئے گئے، ان کے اوپر بارہ بارہ حروف کی چار قطاریں یا سطریں لکھی گئیں، سہولت فہم کے لئے ہم اپنی زبان کے یہ چار حرف لئے ہیں:- ج، س، ن، ل، الغرض، ہر کارڈ کے سرے پر چار چار قطاروں میں جس میں سے ہر قطار میں ۱۲ حروف تھے، یہ حروف یعنی ج، س، ن، ل، ملا جلا کر، بلا ترتیب لکھ دئیے گئے، لیکن اس امر کی رعایت رکھی گئی کہ ہر حرف مختلف کارڈوں پر مقررہ تعداد میں آجائے، مثلاً چار کارڈ ایسے تھے جن میں ایک حرف اکیس بار اور باقی نو نو بار آئے تھے، آٹھ کارڈوں پر ایک حرف اٹھارہ بار اور باقی جملہ دس دس بار، دوسرے آٹھ کارڈوں پر ایک حرف پندرہ بار اور باقی ہر سہ حروف گیارہ گیارہ بار، باقی چار کارڈوں پر ایک حرف سولہ بار، باقی تین حرف آٹھ بار اور ان کے ساتھ آٹھ دیگر متفرق حروف مثلاً، ا، ب، ی، وغیرہم، ملا جلا دیے گئے تھے،

یہ چوبیس کارڈ کی گڈی خوب پھانٹ کر معمول کو دیدی جاتی تھی، اور اس سے کہا جاتا تھا کہ وہ ان کارڈوں کو چار گڈیوں میں تقسیم کر دے، اس طرح پر کہ پہلی گڈی میں ایسے کارڈ ہوں جن میں حرف جیم سب سے زیادہ تعداد میں آیا ہو، دوسری گڈی میں ایسے کارڈ ہوں جن میں سین زیادہ آیا ہو، اور اسی طرح تیسری اور چوتھی گڈی ان کارڈوں کی بنائی جائے، جنمیں علی الترتیب، نون اور لام، کثیر تعداد میں آئے ہوں، آزمایش میں حروف کا شمار کرنا ممنوع ہے، نظر سے کام لینا چاہیئے لیکن اگر کوئی معمول بد دیانتی سے اپنے دل میں حروف شمار کرنا شروع کر دے، تو اس عمل میں اس قدر دیر ہو گی کہ وقت مقررہ میں وہ کارڈوں کو ترتیب نہ دے سکے گا، لہذا شمار کرنا معمول

کے لئے کچھ مفید نہیں ہے،

پروفیسر منشٹربرگ کا خیال ہے کہ ان کارڈوں کو حسب ہدایت ترتیب دینا نفسی حیثیت سے جہاز رانی کے مطابق ہے، بعض معمول، بالکل کھوئے جاتے ہیں، اور حسب موقع کسی قابلِ اطمینان فیصلہ پر قائم نہیں ہوسکتے، کبھی وہ خیال کرتے ہیں کہ جیم کثیر التعداد ہے، کبھی ان کی نظر لام میں الجھ جاتی ہے، اور وہ اسی کو کثیر التعداد سمجھنے لگتے ہیں، اور اس کا نتیجہ وہ تذبذب و انتشار کی کیفیت ہے، جو عملی زندگی کا سمِ قاتل ہے، بعض معمول بہ عجلت تمام سرسری نظر ڈالنے کے بعد کارڈوں کو مختلف گڈیوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور بہت سی ایسی غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں، جن سے تھوڑا تامل کرنے سے محفوظ رہ سکتے تھے، بقول پروفیسر منشٹربرگ "چند حروف کا مختصر سا اجتماع ان کے جلب نظر کے لئے کافی ہے، انکی عجلت پسندی کے ہیجان میں حروف کا مختصر ترین گروہ، ان کے ذہن پر اس قدر گہرا نقش ڈالتا ہے کہ باقی حروف کو وہ بالکل نظر انداز کر جاتے ہیں، اور غلط رائے فوراً قائم کرتے ہیں ان دونوں ناکارہ لوگوں کے خلاف ایک تیسرا گروہ ہے، جو معتدل سرعت اور کمال حزم و احتیاط کے ساتھ حروف کے تناسب تعداد کا صحیح ادراک کرتا ہے، اور مقررہ وقت میں، کارڈوں کی چار صحیح گڈیاں بنا کر رکھ دیتا ہے[1]"،

اس آزمائش میں دقت کے لحاظ کے ساتھ معمول کی غلطیوں کی نوعیت پر بھی غور کرنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ جو حرف کسی کارڈ میں کم تعداد میں آیا ہے، غض بصر کا زیادہ متحمل ہے، بمقابلہ اس کارڈ کے جس میں اس کی کثرت نمایاں ہے،

اسی قسم کا ایک دوسرا تجربہ پروفیسر منشٹربرگ سے منسوب ہے، یہ ٹریم کار چلانے والوں کے انتخاب سے متعلق تھا، اس پیشہ میں کامیابی کے لئے بالخصوص ان نفسی صفات کی ضرورت ہے:- توجہ، ادراک بصری، مخل توجہ اسباب کا رد، کسی مخصوص موقع کے امکانات کا بہ سرعت تمام ذہن میں استقصاء کرنا،

[1] نفسیات اور قابلیت حرفی مصنفہ پروفیسر منشٹربرگ،

علیٰ ہذا بہت سی صفات جو جہاز رانی کے لئے ضروری ہیں اس کام کی انجام دہی میں بھی مطلوب ہیں،

منشٹربرگ طویل غور و خوض کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا ہے، اس کو خود اس کی زبان سے سننا چاہئے، وہ کہتا ہے "میں اس کام کو توجہ کا ایک نہایت پیچیدہ عمل پاتا ہوں جس کے ذریعہ سے کثیر التعداد اشیاء، مثلاً پیدل آدمیوں، گاڑیوں، موٹروں کا مسلسل مشاہدہ کیا جاتا ہے، راستہ کے جلد جلد تبدیل ہونے والے مناظر کے درمیان، ان کی رفتار اور نقل و حرکت کی سمت کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے، متحرک شکلیں، ٹریم کی پٹری پر چپ و راست سے آتی ہیں، اور انسانوں اور گاڑیوں کے اس سواد متموج میں مل جل جاتی ہیں جو پٹری کے متوازی، متحرک ہے، اس کثرت اشکال کے مقابلہ میں بہت سے دماغ گویا بالکل چل جاتے ہیں اور قریب کی شکل کی پٹری کو پار کرنے کا انتظار کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے نفوس اس خدمت کے قابل نہیں، اس لئے کہ وہ ٹریم کو حد سے زیادہ آہستہ چلاتے ہیں، ان کے علاوہ وہ لوگ ہیں جو ٹریم کو تیز لیجاتے ہیں، اور کچھ دیر تک پیچیدہ مواقع کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں، لیکن، بعد ازاں ان کی قوتِ توجہ جواب دیجاتی ہے، اور دور کی گاڑی کو ملحوظ رکھتے وقت، پاس کے پیدل کو نظر انداز کر جاتے ہیں، جو بے پروائی سے ٹریم کے عین مقابل پٹری کو عبور کر رہا ہے، غرض کہ اس متحدہ نفسی عمل کو جو توجہ اور تخئیل کی ایک مخصوص آمیزش سے ترکیب پاتا ہے، مختلف ذہن مختلف طریقوں سے انجام دیتے ہیں[1]"،

توجہ اور تخئیل اس مرکب نفسی قابلیت کو پرکھنے کے لئے منشٹربرگ نے حسب ذیل آلہ ایجاد کیا، ایک کارڈ جو ساڑھے چار انچ چوڑا اور ۳۰ انچ لمبا تھا، ۹×۲۰ مربعوں میں تقسیم کیا گیا، کارڈ کے وسط میں لمبائی کے متوازی دو جلی خط کھینچ دیے گئے، اس طرح کہ ان دونوں خطوں کے دائیں بائیں چار چار خالی چھوٹے رہے، یہ دو جلی خط گویا ٹریم کی پٹریاں تھیں دائیں اور بائیں جانب کے مربعوں میں سرخ اور سیاہ روشنائی سے ہندسے بھر دیئے گئے، نمبر ۱ کا منشاء پیدل تھا، یعنی جس کی رفتار، مقابلۃً ایک خانہ تھی، ۲ سے مراد گھوڑا تھا جس کے پیدل کے مقابلہ میں دوگنی رفتار تھی، ۳ سے مراد موٹر تھا، جس کی رفتار سہ گنی تھی، سیاہ ہندسوں سے مراد، وہ پیدل، گھوڑے اور موٹریں تھیں،

[1] نفسیات اور قابلیت حرفی صہ ۶۶،

جو پٹری کے متوازی چل رہی تھیں، اور جو پٹری کو کبھی عبور نہ کریں گی، اس لئے ان کی جانب سے کچھ خطرہ نہ تھا،
ہندسوں سے مراد وہ پیدل گھوڑے، اور موٹریں تھیں جو پٹری کے اِدھر اُدھر سے آکر پٹری پار کرنے والی تھیں،
اور اس لئے ان سے ٹریم ٹکرا جانے کا خطرہ ہے، خطرناک مواقع اس وقت پیش آتے تھے جب کہ سرخ ۳ پٹری سے
تین خانہ کے فاصلہ پر، یا سرخ ۲ پٹری سے دو خانہ کے فاصلہ پر ہو یا سرخ ۱ پٹری سے ایک خانہ کے فاصلہ پر،
اگر سرخ ۲ پٹری سے تین خانہ کے فاصلہ پر ہے تو کوئی خطرہ نہیں، اس لئے کہ قبل اس کے کہ وہ پٹری تک پہنچے
ٹریم نکل جائیگی، اسی طرح اگر سرخ ۳ پٹری سے چار خانہ کے فاصلہ پر ہے، تب بھی کوئی اندیشہ نہیں، ٹریم پار
ہو جائیگی، علیٰ ہذا القیاس اگر سرخ ۳ پٹری سے دو خانہ کے فاصلہ پر ہے تو کوئی خطرہ نہیں، اس لئے کہ اس حالت
میں بھی موٹر پٹری پر سے گذر چکے گا قبل اس کے کہ ٹریم وہاں پہونچے، اسی طرح سرخ ۲ سے جو پٹری سے ایک خانہ کے
فاصلہ پر ہے کوئی خطرہ نہیں، اس لئے کہ گھوڑا پٹری پار کر جائیگا قبل اس کے کہ ٹریم آئے، اور ٹکرانے کا اندیشہ ہو،
معمول کو کارڈ دیکھکر بہ سرعت تمام خطرہ کے مقامات بتانا ہوتے ہیں، یہ آزمائش سیاہ ہندسوں کی کثرت اور سرخ
ہندسوں کے ٹریم سے بہت دور یا بہت نزدیک ہونے کی وجہ سے پیچیدہ ہو جاتی ہے،

اس قسم کے بارہ کارڈ تھے، اور انکو تلے اوپر رکھکر، اوپر کی جانب ایک شیشہ لگا دیا گیا تھا اور کارڈوں میں
ایک دستہ لگا دیا گیا تھا تاکہ ان کو حرکت دی جا سکے، اور یکے بعد دیگرے کارڈ معمول کے پیش نظر ہو سکیں، یہ کل
سامان ایک لکڑی کے کالے بکس میں رکھدیا گیا تھا جس کے اوپر دونوں طرف دو چرخیاں لگی ہوئی تھیں، اور ان پر
موٹی سیاہ مخمل لپٹی ہوئی تھی، اس مخمل کی پٹی میں سوراخ تھا، جو چرخی کو گردش دینے سے کارڈ پر دوڑتا تھا، معمول
کارڈ کو اس سوراخ میں سے دیکھ کر خطرات بتاتا تھا، آزمائش میں خاص کر قابل اعتنا یہ امور تھے، کہ معمول نے
جواب دینے میں کتنا وقت لیا، کیا کیا فروگذاشتیں کیں، یعنی کون کون سرخ ہندسے چھوڑ دیئے جو خطرہ میں تھے اور
کتنے سرخ ہندسوں کو اپنی تخیل سے خطرہ میں شمار کیا، حالانکہ وہ خطرہ سے دور تھے،

انگلستان کے تعلیمی بورڈ کی جانب سے مساحت ذہنی پر جو رپوٹ شائع ہوئی ہے، اس کے ایک ضمیمہ میں

فن خیاطی کے امیدواروں کی نفسی قابلیت کا حسب ذیل شجرہ دیا ہے،

- نگرانی سے آزادی
  - عام ذہانت
  - مشاہدہ
  - پیچیدہ ہدایات کی یاد داشت
- کیفیت کار
  - سبک دستی
  - صحت کار
    - معاونت
      - ہاتھ اور تصویر کے درمیان
      - ہاتھ اور آنکھ کے درمیان
    - حافظہ
      - رنگ
      - شکل
      - لمبائی
    - مساوی فاصلہ کا ادراک
- کمیت کار
  - معمولی رفتار
    - مخل توجہ اسباب کے مقابلہ کی قوت
    - معمولی و انتہائی رفتار کی نسبت
  - انتہائی رفتار

ان نفسی خصوصیات کی آزمائش کے طریقے یہ ہیں،

(۱) کمیتِ کار

الف انتہائی رفتار،

(۱) دائروں کو عجلت کے ساتھ کھچوانا، (۲) ڈورے میں دانے جلدی جلدی پروانا وغیرہ،

ب۔ معمولی رفتار،

(۱) ان سے کچھ بنوانا، مگر جلدی نہ کرنے کی ہدایت کرنا (۲) ان سے کچھ بنوانا جب کہ مخل توجہ کچھ اسباب موجود ہوں،

(۲) کیفیتِ کار

الف مساوی فاصلوں کا ادراک،

(۱) متوازی خطوط کا ادراک کرانا، (۲) بغیر پیمایش کئے، نظری طور پر، خط کی تنصیف کرانا (۳) بغیر

متوازی خطوط کھنچوانا،

ب ۔ لمبائی، شکل اور رنگ کی یادداشت،

(۱) متعدد دیے ہوئے خطوں میں سے ایک یاد کردہ خط کا انتخاب (۲) متعدد دی ہوئی شکلوں میں سے
ایک یاد کردہ شکل کو بتانا، (۳) متعدد دیے ہوئے رنگوں میں سے ایک یاد کردہ رنگ کو بتانا،

س ۔ معاونت،

(۱) مقررہ نقاط پر پنسل سے نشان لگوانا (۲) مقررہ نقاط پر دوسری جانب سوئی سے سوراخ کرانا،

د ۔ سبک دستی،

(۱) دی ہوئی ہدایات کے بموجب کاغذ کو موڑنا،

(۳) نگرانی سے آزادی،

الف ۔ پیچیدہ ہدایات کی یادداشت،

(۱) مخصوص ہدایات کی تعمیل، (۲) کسی لباس کا بیان پڑھکر سنانا اور پھر اس کا معمول سے اعادہ کرانا،

ب ۔ مشاہدہ،

(۱) کسی لباس کو پلیٹ میں رکھکر معمول کو دکھانا، اور اس کے بعد پوشیدہ کردینا اور معمول سے اس
کا بیان لکھوانا،

(س) عام ذہانت،

(۱) انفرادی مساحت ذہنی کے ذریعہ سے، (۲) اجتماعی مساحت ذہنی کے ذریعہ سے،

ان آزمایشوں کے علاوہ اگر ضرورت محسوس ہوتی ہے، تو ادراک بصری کا مزید امتحان
لیا جاتا ہے،

دست کاری کی قابلیت کا امتحان راقم سطور نے ایک بار آزمایشاً صرف مفصلہ ذیل سامان کی مدد
سے لیا لیکن نتیجہ واقعات کے خلاف نہ تھا،

میز پر نبوں کا پتہ، ایک پیمانہ جس میں ایک طرف انچ اور دوسری طرف سم و مم کے نشانات تھے اور
ایک پرکار تھی، معمول کو میز کے پاس آرام سے بٹھا دیا گیا، اور اس سے کہا گیا کہ وہ اپنا داہنا ہاتھ میز پر پھیلادے
اور آنکھیں بند کرے، اس کے بعد پرکار کے دونوں سرے مختلف فاصلوں پر ہتھیلی اور انگلیوں کے سروں
سے چھوئے گئے، اور معمول سے دریافت کیا گیا کہ تمھیں کے سرے چبھتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، سب سے ادنیٰ قسم کا
معمول دونوں سروں کو ایک سم کے فاصلہ تک محسوس کرسکا، اس سے کم فاصلہ پر اس کو صرف ایک سرا
محسوس ہوتا تھا، یعنی ایک سم اس کے ادراک لمس کی انتہا تھی، انگلیوں کے سروں میں چونکہ فطرۃً حاسۂ لمس
زیادہ ودیعت ہے، اس لئے یہاں کے احساس کا قطر ۵ مم تک تھا، اس سے کم پر قوت ادراک کی جانب سے نفی میں
صاف جواب تھا، اس معمول کے برخلاف اعلیٰ قسم کے دست کار کی قوت احساس کا قطر ۵ مم ہتھیلی اور ۲٫۵ مم
پوروں پر تھا[1]،

پنوں سے یہ آزمایش کی گئی کہ معمول سے کہا گیا، کہ کاغذ میں سے پنیں نکالے اور اس کے بعد ان کے
سوراخوں میں پھر پیوست کردے، آخر الذکر معمول اس عمل کو جلد کرسکا، جبکہ اول الذکر نے اس کام میں بہت
دیر لی،

یہ دراصل قوت احساس اور اس معاونت ذہنی کا امتحان تھا، جو ذہن اور عضلات کے درمیان مختلف
معمولوں میں قائم تھے، مکمل امتحان کے لئے قوت مشاہدہ اور تخئیل کی آزمایش بھی ضروری ہے،

" باقی "

[1] جسم کے نیچے کے حصہ میں مثلاً ران میں پرکار کے سرے بہت زیادہ فاصلہ پر محسوس ہوسکتے ہیں
اس لئے کہ ان مقامات میں قوت لمس بہت کم ہے،

جیمس کا نظریۂ جذبات

از

مولوی محمد ولی الرحمان صاحب ایم، اے پروفیسر فلسفہ جامعہ عثمانیہ

"الوجہ عنوان الضمیر" کا مقولہ اگرچہ صحیح ہے، لیکن نفسیاتی حیثیت سے یہ کہنا شاید صحیح تر ہوگا کہ "الجسم عنوان النفس"
نفس اور جسم، روح اور مادہ، میں ازلی عداوت ہے، مادہ نے ہمیشہ روح کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کی ہیں
اور جسم روزِ ازل سے نفس کی غمازی کر رہا ہے، نفس میں کوئی کیفیت و حالت ایسی نہیں گذرتی جس کی پردہ دری
جسم نہ کرتا ہو، کسی مسئلہ پر غور کرتے میں بھویں سکڑ جاتی ہیں، اور پیشانی پر گرانی سی محسوس ہوتی ہے، خوشی کی لہر
میں لبوں پر کبھی مسکراہٹ کھیلتی ہے، اور کبھی باچھیں کھل جاتی ہیں، اور تنفس میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے، ہجوم
تفکرات اور ازدحام مصائب و آلام سے تمام جسم نحیف و نقیہ ہو جاتا ہے، بے فکر اور آزاد زندگی سے جسمانی صحت
دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی ہے، ہونہاری اور سعادت مندی چہرے سے مترشح ہوتی ہے، غرض ذہن
کی کسی حالت و خصوصیت میں جسم کی حرکات پوشیدہ نہیں رہتیں، قدیم ماہرینِ نفسیات نفس اور جسم کو اس طرح
متعلق نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ ابھی بہت زمانہ نہیں گذرا کہ نفس کا مطالعہ جسم کے مطالعہ کے بغیر مکمل سمجھا جاتا تھا، لیکن
رفتہ رفتہ یہ بات روشن ہوتی گئی کہ اگر جسم سے قطع نظر کر لیا جائے تو نفس کا مکمل اور صحیح مطالعہ ناممکن ہے، نفسیات
کی قدیم کتابوں میں جسم (یا شاید نظام عصبی کہنا زیادہ موزوں ہوگا) کے مطالعہ کو بالکل غیر ضروری اور غیر متعلق
سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا تھا، لیکن آج کل اس بحث کے بغیر نفسیات کا کوئی ابتدائی رسالہ مکمل ہی نہیں
سمجھا جاتا، ہر نفسی کیفیت پر دو مختلف نقطہ ہائے نظر سے بحث کی جاتی ہے، اول ذہنی ، دوم عضویاتی اور یہ
کہا جاتا ہے، کہ بغیر عضویاتی بحث کے نفسیاتی بحث ناکمل اور ناقابل فہم رہتی ہے، ہر نفسی خصوصیت و کیفیت
کے مقابلہ میں جسمی حالت کی تلاش کی جاتی ہے، یہاں تک کہ عقل و فہم جیسی مجرد خصوصیات کو بھی دماغ

کی ایک خاص ساخت کا نتیجہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، نفس اور جسم کے اس قریبی تعلق کی اہمیت
پر اس قدر زور دیا جا رہا ہے کہ وہ دن قریب ہے جب حیات ذہنی حیات جسمانی میں تحویل ہو جائے گی، اس
انقلاب کے آثار ابھی سے پیدا ہونے لگے ہیں چنانچہ پروفیسر تھرسٹن[1] نے نہایت شد و مد کے ساتھ یہ خیال ظاہر کیا ہے
کہ ذاتِ شاعرِ خام اور ناکمل ہیجانات[2] کا مجموعہ ہوتی ہے، یعنی یہ ایسے ہیجانات سے مرکب ہے، جو کردار کی صورت اختیار
کرنے والے تھے لیکن کسی وجہ سے استحالہ کا عمل رک گیا، اس کے نزدیک حیات شاعرہ اور کردار دونوں کا
مایۂ خمیر ایک ہی ہے تصور اور (اس کے مقابل) فعل میں فرق صرف اس قدر ہے کہ تصور ناکمل فعل ہوتا ہے، اسی طرح
مرکزی شعور بھی انھیں ہیجانات پر مشتمل یا مرکب ہوتا ہے جو کردار کی صورت اختیار کرنے والے ہیں، دوسرے الفاظ
میں حیات شاعرہ ایک ناکمل فعل ہے، یعنی یہ ایسا کردار ہے، جو اگرچہ شعوری ہے، لیکن ابھی اس قابل نہیں ہوا
کہ کسی ایک فعل کا جزو ترکیبی بن سکے، مختصر یہ کہ تھرسٹن کے نزدیک شعور، حیات شاعرہ یا ذات شاعر گویا افعال
و کردار کا ہیولیٰ ہے، اس کا انجام یہ ہونے والا ہے، کہ کبھی کبھی یہ ہیولیٰ اپنی مخصوص صورت اختیار کرے گا، جو شعوری
کیفیت (یا تصور) اس صورت کو قبول کر لیتی ہے، وہ گویا منزل مقصود پر پہونچ چکی ہے، لیکن جو کسی وجہ سے
اس صورت سے نا آشنا رہی، وہ ہمیشہ کے لئے حیات شاعرہ میں مقید و محبوس ہو گئی، اس کے خیال کے
مطابق حیات شاعرہ اور کردار میں بلحاظ مایۂ خمیر کوئی فرق نہیں، اگر نفس و جسم کے تعلق کا خیال اسی رفتار سے
ترقی کرتا رہا، تو ہمارے خیال میں وہ دن بھی دور نہیں، جب ساری نفسیات یا تو عضویات میں مدغم ہو جائیگی، یا ایسی
عجیب و غریب صورت اختیار کر لیگی جسے اگر متقدمین کی روحوں کے سامنے پیش کیا جائیگا، تو اس کو پہچان
بھی نہ سکیں گی، امریکہ کے ماہرین نفسیات میں جو نئی تحریک کرداریت[3] کے نام سے پروفیسر واٹسن کی سرکردگی
میں شروع ہوئی ہے، اس سے ہمارے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے، شعور کے وجود سے انکار یا کم از کم

[1] Thurstone Nature of Intelligence ص ۱۲

[2] Behaviourism. [3] Impulse

اس کے ناممکن الثبوت ہونے کا دعوی، اس تحریک کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، جب شعور ہی کا وجود نہیں، توشعوری کیفیات کہاں؟ اور جب شعوری کیفیات ہی نہیں تو ذہنی رسے خارج از بحث ہے، نتیجہ یہ کہ تمام ذہنی زندگی افعال وحرکات میں تحویل ہو جاتی ہے، غرض نفسیات کا نام ہی نام باقی ہے جان نکل چکی ہے،

جسم ونفس کے تعامل وتعاون کا نقشہ جذبات میں بہت زیادہ واضح ہوتا ہے، اور اسی بحث میں آج سے چالیس برس پہلے ذہنی کوائف کا اگر خاتمہ نہیں ہوگیا تو اُن کی اہمیت میں کمی ضرور آگئی ہے، ہماری آنکھوں کے سامنے ہی عضویاتِ جذبات نے نفسیاتِ جذبات کی جگہ لے لی ہے، جذبات کی ماہیت میں سے جیمس نے کیفیات وتاثرات ذہنی کو خارج کرنے یا کم از کم ان کو ماتحتی کے درجہ پر لانے کی کوشش کی اسے ایک حد تک اس میں کامیابی بھی ہوئی، جیمس پہلا شخص تھا جس نے اس طرف قدم بڑھایا، اُس پر غیر اولیت کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اس کے خیالات کی خامی، استدلال کی کمزوری اور قدیم روایات کے ترک کرنے کا الزام بھی لگایا جاتا ہے، لیکن خدا بھلا کرے ڈاکٹر کا کہ اس نے جیمس کے دو حرفوں کو افسانہ بنا دیا اور اس کے خیال کو بے کردو چار قدم اور آگے بڑھ گیا یعنی جذبات کو حرکات اور خالص حرکات میں تحویل کر دیا، جیمس نے جذبات میں ذہنی کیفیات کو خارج کرنیکی کوشش کس طرح کی اس کو اس کوشش میں کہاں تک کامیابی ہوئی؟ عضویاتِ جذبات نے کن معنوں میں نفسیاتِ جذبات کی جگہ لی؟ انھیں سوالات کا جواب سطورِ مابعد کا موضوع ہے:-

"فرض کرو کہ ایک بندرگاہ میں ساحل بحر پر بہت سے لوگ ایک جہاز کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں اتنے میں افسران بندرگاہ میں سے، ایک شخص مضطربانہ آکر کہتا ہے، کہ ابھی ایک تار سے اطلاع ملی ہے کہ جہاز فلاں مقام پر ایک چٹان سے ٹکرا کر غرق ہوگیا، اور یہ تصادم اتنا سخت تھا، کہ ایک متنفس بھی زندہ نہ بچ سکا، ان الفاظ کا ہوا میں گونجنا تھا کہ اس مجمع کی وضع وہیئت میں نمایاں تغیرات پیدا ہو گئے ...... لیکن چونکہ ہم اس وقت صرف افراد کے تغیرات ذہنی سے بحث کر رہے ہیں، اس لئے جماعت پر بحیثیت مجموعی جو جو اثرات پڑے، ان سے قطع نظر کر کے یہاں محض یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مختلف افراد پر اس واقعہ نے فرداً فرداً کیا اثر کیا، مگر چونکہ افراد بھی نہایت کثیر التعداد ہیں، اسلئے، سہولت کی غرض سے صرف چار آدمیوں کا انتخاب کرتے ہیں، جو تاثرات نفسی کے لحاظ سے گویا ساری جماعت کے نمایندے ہیں، غور سے دیکھو، کہ ایک ہی واقعہ کا ان افراد اربعہ پر کیا اثر پڑتا ہے، ان میں سے ایک شخص شدت سے گران گوش ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بالکل غیر متأثر رہا، کیونکہ جس طرح وہ پہلے ایک گوشہ میں اس مجمع کی طرف پشت کئے ہوئے لیٹا تھا، اسی طرح اب بھی بہ اطمینان لیٹا ہے، ایک دوسرا شخص جو اپنی وضع قطع سے اس ملک کا باشندہ نہیں معلوم ہوتا، اس نے اس خبر کو سنا لیکن وہ بھی بہت زیادہ متأثر نظر نہیں آتا، کیونکہ ٹہلتے ٹہلتے وہ ایک ذرا دیر کے لئے ٹھٹھک کر اسے سننے تو لگا تھا اور اپنی صورت بھی تأسف آمیز بنا لی تھی مگر اب پھر بدستور ٹہل رہا ہے، ایک تیسرا شخص البتہ زیادہ مغموم نظر آتا ہے، اس لئے کہ وہ اس خبر کو سنکر بے اختیار رو پڑا، اور ابتک اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، چوتھے شخص کی حالت اس سے بھی ابتر ہے، اس نے جوں ہی اس خبر کو سنا معاً غش کھا کر گر پڑا، اور گو دیر کے بعد ہوش آگیا لیکن حواس اب تک بجا نہیں، سارا جہان اس کی نظروں میں تیرہ وتار ہے، اور وہ فرطِ غم سے بے خود ہو رہا ہے"[1]

یہ صحیح ہے کہ مذکورہ بالا مثال کوئی مستند تاریخی واقعہ نہیں کہ اس کو اس خاص مقصد کے لئے معتبر تسلیم کیا جائے، لیکن کیا ہم اسی قسم کے نظائر خود اپنے تجربے سے حاصل نہیں کر سکتے؟ بیوقوف سے بیوقوف اور جاہل سے جاہل شخص بھی اس کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر وہ جنگل میں جا رہا ہو، اور اس کے قریب ہی شیر سو رہا ہو، تو اس پر جذبہ خوف اس وقت تک طاری نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی نگاہ اس پر نہیں پڑتی، ہم اپنے اعزہ سے دور اپنے

[1] فلسفہ جذبات مصنفہ مولوی عبد الماجد صاحب طبع دوم صفحہ ۸۰، ۸۱،

اقارب سے مہجور ہزاروں میل کے فاصلے پر پڑے ہیں، ہم پر گردش ایام کوئی مصیبت لاتی ہے یا ان پر اتفاقات زمانہ کوئی مصیبت ڈھاتے ہیں، ہم ایک دوسرے کے مصائب سے مطلق متاثر نہیں ہوتے، لیکن جب ہمارا خط ان کے پاس یا ان کا تار ہمارے پاس یہ اطلاع لیکر آتا ہے، تو دنیا نگاہوں میں تاریک ہو جاتی ہے، جو گھر اس خط یا تار پہونچنے سے قبل عشرت خانہ تھا، اب ماتم کدہ بن جاتا ہے، جو لوگ پہلے ہشاش بشاش تھے، اب ماتم کناں اور گریہ کناں نظر آتے ہیں، لیکن یہ تمام تغیرات کب ہوئے؟ جب ان کو یا ہم کو اس خبر وحشت اثر کا علم ہوا، ایک شاہ انجم سپاہ اپنے یلان نبرد آزما کو اپنے دشمن کے خلاف کسی مہم پر روانہ کرتا ہے، اس کو اپنے بہادروں کی نمک حلالی، وفاداری اور خیر خواہی پر پورا اعتماد ہے، لیکن اگر وہ اپنے دشمن کو نیچا دکھانے میں کامیاب ہو جائیں اور اس فتح مبین کی اطلاع اپنے آقائے نعمت کو نہ دیں، تو سلطنت میں خوشی کے شادیانے نہیں بج سکتے، ان تمام اور اسی قسم کے اور واقعات پر غور کرنے سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے، کہ جذبات کے طاری ہونے کے لئے لازمی ہے، کہ ہم کو اس جذبہ انگیز واقعہ کا علم ہو جب تک ہم کو یہ علم نہیں ہوتا، اس وقت تک وہ جذبہ بھی کتم عدم میں رہتا ہے، اس کے علم کے ہوتے ہی معاً جذبہ منصۂ شہود پر جلوہ افروز نظر آنے لگتا ہے، لیکن ان تمام مثالوں میں صرف یہی ایک بات غور طلب نہیں، ان ہی سے ہم کو جذبات کی ماہیت بھی معلوم ہو سکتی ہے،

شیر کو دیکھنے، خبر بد کے سننے یا فتح کی اطلاع پانے سے ہماری نفسی کیفیت اور حالت میں بھی ایک قسم کا تغیر ہوتا ہے، چنانچہ شیر کو دیکھنے سے ہم پر ایک انقباضی اور ناگوار کیفیت طاری ہوتی ہے، ہم کو پریشانی ہوتی ہے، بعض اوقات شعور سرے سے غائب ہی ہو جاتا ہے، اسی طرح خبر بد بھی ناگوار کیفیت پیدا کرتی ہے، ہمارے دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے، ماحول کا منظر ہمارے لئے بدل جاتا ہے، فتح کی اطلاع پاتے ہی بادشاہ کے شعور میں تغیرات ہوتے ہیں، اس کو خوشی ہوتی ہے، اور ایک انشراحی انبساطی اور خوشگوار کیفیت طاری ہوتی ہے، ان کیفیات شعور یعنی انقباض و انبساط، درد و الم، حظ و کرب وغیرہ کو نفسیات کی اصطلاح

میں حسیت کہا جاتا ہے، ہر جذبہ میں کسی نہ کسی قسم کی حسیت ہونا لازمی ہے، اگرچہ یہ اسی طرح مفرد اور بسیط صورت میں نہیں ہوتی،

ان ہی مثالوں پر دوبارہ غور کیجئے، جذبہ انگیز واقعہ اور کیفیت حسی کے علاوہ ایک اور خصوصیت نظر آتی ہے یعنی یہ کہ ان تمام صورتوں میں خاص خاص جسمانی تغیرات بھی ہوتے ہیں، ان تغیرات میں سے بعض تو اس قسم کے ہوتے ہیں، کہ جن کو ہر کس و ناکس دیکھ سکتا ہے، لیکن بعض اس طرح کے ہوتے ہیں کہ ان کو خود وہی شخص محسوس کرتا ہے، جس پر وہ کیفیت گزر رہی ہے، اور بعض کو تو وہ خود بھی محسوس نہیں کر سکتا، شیر کو اپنے پاس کھڑا دیکھ کر بدن میں رعشہ پڑ جاتا ہے، تنفس تیز ہو جاتا ہے، چہرہ کی رنگت زرد پڑ جاتی ہے، ضربات قلب کی رفتار تیز ہو جاتی ہے، منہ خشک ہو جاتا ہے، معدے کا عمل انہضام بند ہو جاتا ہے، اور اسی نوع کے اور تغیرات ہوتے ہیں، خبر بد کو سنکر ہماری تمام حرکات بند ہو جاتی ہیں، ہم پر سکتے کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، ہم چیخنا چلانا شروع کرتے ہیں، سر کے بال نوچتے ہیں، وغیرہ اسی طرح فتح و ظفر کو معلوم کرکے ہم اچھلنے کودنے لگتے ہیں، ہمارے لبوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے، ہماری تمام حرکات تیز ہو جاتی ہیں، سانس بھی جلدی جلدی آتے ہیں، اس قسم کے جسمانی تغیرات کا وجود ہر جذبہ کے ساتھ ہونا لازمی ہے، یہ ممکن ہے کہ ہم خود یا دوسرے ان کو معلوم نہ کر سکیں، چنانچہ خوف کی حالت میں معدے کا عمل ہضم کا رک جانا کون شخص بغیر اختبار و امتحان کے معلوم کر سکتا ہے؟

اس تمام بحث کو مختصراً اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ،

الف۔ ایک وقوفی کیفیت، یعنی واقعہ جذبہ انگیز کا علم مثلاً کسی عزیز کی خبر مرگ کوئی پرجوش واقعہ،

ب۔ ایک خاص حسی کیفیت، یعنی حظ و کرب، انبساط و انقباض، لذت و الم،

ج۔ کچھ جسمانی تغیرات، مثلاً آنسو بہنا، تیوریاں چڑھانا، ہنسنے لگنا، وغیرہ[1]

[1] فلسفۂ جذبات ص [illegible]،

جذبہ کے ان اجزا ترکیبی سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ہے، یہ بھی ہر ایک کے نزدیک مسلم ہے کہ جذبات کے طاری ہونے کے لئے جذبہ انگیز واقعہ جسکو اصطلاح میں مہیج کہتے ہیں، علم وقوف ضروری ہے اس سے قبل جو مثالیں ہم نے بیان کی ہیں، وہ سب کی سب ہمارے اس بیان کی صداقت پر شاہد عادل ہیں اب سے چند سال قبل یہ بھی متفق علیہ تھا، کہ ان اجزاء کی ترتیب زمانی بھی وہی ہوتی ہے، جو ہم نے بیان کی ہے یعنی یہ کہ پہلے ہم کو مہیج کا علم ہوتا ہے، اس کے بعد شعور میں انبساط، یا انقباض کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور اسکے بعد جسمانی تغیرات ظاہر ہوتے ہیں، اس کو اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ:۔

"تاثیر مہیج سے فوراً ہی نفس میں ناگواری یا خوش گواری کی ایک وجدانی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور پھر اس وجدانی کیفیت کے معلول کے طور پر کچھ جسمانی تغیرات ہوتے ہیں، جذبہ کا جوہر حقیقی وہی وجدانی کیفیت ہوتی ہے، اور یہ تغیرات جسمانی اسکے آثار یا مظاہر ہوتے ہیں، اس نظریئے کے مطابق ہم سے جب کوئی گستاخی سے پیش آتا ہے، تو معاً دل میں ایک طرح کا جوش پیدا ہوتا ہے، اور اس کے بعد ابرو پر بل پڑجاتے ہیں، خوشی کی بات سنکر معاً دل میں انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور اس کے بعد چہرے پر تبسم کی علامات ظاہر ہوتی ہیں، کسی غم انگیز حادثہ کی اطلاع ملتی ہے، اور معاً ہمارا دل رنج کی ایک کیفیت محسوس کرتا ہے، اس کے بعد آنکھوں سے آنسو نکلنے لگتے ہیں"

جذبہ کی ماہیت کے متعلق یہ خیال صرف ماہرین نفسیات تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ عامۃ الناس بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں، چنانچہ روزمرہ گفتگو میں ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے فرط غم سے آنسو بہنے لگے، فلاں خوفزدہ ہو کر بھاگا فلاں کا چہرہ غصہ کے مارے سرخ ہو گیا، وغیرہ ان تمام اقوال میں ظاہر ہے، کہ ہم جسمانی تغیرات کو جذبہ کا مظہر سمجھتے ہیں، ان کو جذبہ میں شامل نہیں کرتے، یہ گویا وہ معلولات ہیں، جو اس خاص وجدانی کیفیت سے پیدا ہوتے ہیں

لہ فلسفہ جذبات ...

لیکن ۱۸۸۴ء میں ہارورڈ (امریکہ) کی یونیورسٹی کے پروفیسر اور نفسیات کے مسلم الثبوت استاد ولیم جیمس نے رسالہ مائنڈ میں "جذبہ کیا ہے" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس کو بعد میں انہوں نے اپنی کتاب "پرنسپلز آف سائکالوجی" میں شامل کیا ہے، مضمون نے ماہرین و عامۃ الناس کے خیالات میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کیا، جس چیز کو اب تک علت سمجھا جا رہا تھا، وہ اس مضمون کے مطابق معلول بن گئی، اور جو اب تک معلول تھی وہ علت ثابت ہوئی، اب تک اس وجدانی کیفیت کو جذبہ کا جوہر سمجھا جا رہا تھا جو مہیج کی تاثیر سے پیدا ہوتی ہے، لیکن جیمس نے اس کیفیت کو اس اہم مرتبہ سے گرا کر ثانوی نتیجہ بنا دیا، جیمس نے دعوی کیا کہ،

"ترتیب زمانی کے لحاظ سے مہیج کو یہ تقدم حاصل ہے، یعنی تاثیر مہیج سے فوراً ہی نظام جسمانی میں کچھ تغیرات واقع ہوتے ہیں، اور ان تغیرات کے بعد، اور بطور انکے معلول کے نفس ایک کیفیت وجدانی کو محسوس کرتا ہے"

گویا جیمس نے جذبات کی دنیا میں وہی انقلاب پیدا کیا، جو کوپرنکس نے نظام شمسی میں کیا، اس نے زمین کو آسمان بنا دیا اور آسمان کو زمین، شروع شروع میں یہ نظریہ اس قدر عجیب و غریب معلوم ہوا کہ ہر ایک کی نگاہ اس طرف اٹھ گئی، اور غالباً محض ظاہری استبعاد کی وجہ سے ہر کس و ناکس نے اس کی مخالفت پر کمر باندھی جیمس پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگی، لیکن وہ اپنے خیال پر قائم اور اپنی جگہ ثابت قدم رہا، رفتہ رفتہ تحقیق و تفتیش، اختبار و مشاہدہ اور کدوکاوش سے قدیم تعصب اور دھادھندھ مخالفت میں کمی ہوئی، اور اب اکثر ماہرین نفسیات اسی جیمس کے ہم خیال ہیں جس کو پہلے ایک عقلمند دیوانہ سمجھا جا رہا تھا، اس میں کلام نہیں کہ عامۃ الناس کیلئے جیمس کا یہ خیال مضحکہ خیز ہے لیکن عوام کے خیالات ہمیشہ حکمی و علمی تحقیقات و معلومات کا ساتھ نہیں دیا کرتے،

"باقی"

لہ فلسفہ جذبات

کھمبات یا کھمبائت کے آثار،

از مولوی عبد الستار صاحب فاروقی انجمن ضیاء الاسلام کامٹی سی پی!

"حسب ذیل مضمون کو جو مسٹر برجیس سی آئی ای (J. Burgess, C.I.E.)

کی کتاب مغربی ہندوستان کے اسلامی آثار کی تاریخ جلد چھٹی سے بتصرف ترجمہ کیا گیا ہے، مصنف نے اس

حصہ کتاب کو جس جانکاہی وکاوش سے لکھا ہے اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے، کہ صرف اس حصہ کتاب

کی تیاری میں مصنف کو تقریباً ۴۰ کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑا ہے، چنانچہ ان کتابوں میں سے جنکا

حاشیہ میں حوالہ دیا گیا ہے بعض کے نام یہ ہیں:۔ قرآن شریف، قوانین اسلام، راس مالا، ٹاڈ کی

سیاحت مغربی ہند، تاریخ مسعودی، جوبرٹ کی اور سیدی محمد عوفی کی جامع الحکایات، سفرنامہ مارکوپولو

آخر میں یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ تعمیرات کی جو کچھ حالت اس مضمون میں بتائی گئی ہے، وہ آج

کی نہیں بلکہ آج سے ۴۰ سال پہلے کی ہے جبکہ مصنف نے اس کتاب کی تیاری کیوقت انکو دیکھا تھا، خدا

جانے لیل ونہار کی اس ۴۰ سالہ گردش نے ان پر کیا کیا ستم ڈھائے ہیں اور اب انکی کیا حالت ہے، ہاں

اتنا معلوم ہے کہ وہاں ان اسلاف کے جنکے یہ آثار ہیں اخلاف یعنی مسلمان ابتک باقی ہیں، مگر انکی موجودہ

حالت جمود کو دیکھتے ہوئے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ ان آثار کے باقی رکھنے میں کوشاں رہے ہونگے"، فاروقی۔

کھمبات یا صحیح تر کھمبائت جیسا کہ عام طور سے کہا جاتا ہے، اور جسے مارکو پولو (۱۲۹۳ء) نے کمبایت لکھا ہے، اور جو سترھویں

صدی میں کمبیا یا کمبیاکے نام سے مشہور تھا، اسکو موجودہ یورپین کمبے کہتے ہیں،

یہ ماہی ندی کی وادی میں شمالی جانب احمد آباد سے جنوباً ۵۲ میل اور تقریباً ۴۲ میل بڑودہ کے مغرب

میں واقع ہے سنسکرت کتبوں اور قصوں سے اس کا نام (استمبھ تیرتھ[1]) یا "تیرتھی کھمبہ" ظاہر

[1] استمبھ تیرتھ کے معنی ہیں منارہ یا تیرتھ کا کھونٹا، اسی مناسبت سے میں نے اسکا ترجمہ تیرتھی کھمبہ کیا ہے،

ہوتا ہے، یوں تو اس نام کے تسلیم کر لینے کا کوئی موثق ذریعہ نہیں ہے مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید لنگ سیوا

جسکی استمبھیشور (خدائی کھمبہ) کے نام سے پرستش ہوتی ہے، سے مشتق ہو، پراکرت میں استمبھ کھمبہ یا کھمبے بدل

جاتا ہے، اس لئے گمان ہوتا ہے کہ موجودہ نام "کمبے" اسی طرح منجھ منجھا کر نکھرا ہو، قدیم الایام میں مقدس اشیاء کا

خزینہ دار ایک شہر تھا جسے گنجی کہا گیا ہے، اس نام کا ایک اہم بندرگاہ ماہی ندی کے دہانے پر واقع تھا جو اب برباد

ہو گیا ہے، اس کے بعد ایک نیا شہر ۵۲ میل کے فاصلہ پر سمندر کے قریب بسا جو غالباً شمالی برہمنوں کی نوآبادی

کے پاس واقع تھا، دسویں صدی کے اختتام پر مول راجہ نے نو میل زمین کماری دیوی کے مندر کے لئے وقف

کر کے موجودہ مقام پر بسایا، قدیم شہر ایک قریہ کی حیثیت رکھتا ہے جسکا نام ناگر ہے، اور جو موجودہ شہر سے تین میل

کے فاصلہ پر شمال مغرب کی جانب واقع ہے،

مسعودی جو ۹۱۵ء میں یہاں آیا اس کو ترقی پذیر حالت میں دیکھا، اس وقت ایک برہمن "ماکیر کا طہر"

کے نام سے اس پر حکومت کرتا تھا جو مسلمانوں اور اجنبیوں کی بڑی دیکھ بھال کرتا تھا، یہ اس وقت کھڑاؤں کیلئے

مشہور تھا، بارہویں ہجری میں یہ ایک مشہور اور اہم قلعہ بند ساحلی تجارتی مقام تھا کہتے ہیں کہ اسی ہجری میں پارسیوں

کی اشتعال انگیزی سے ہندوؤں نے سنی مسلمانوں کے خلاف بلوہ کر دیا، اور مسجد کو شہید کر دیا گیا جب یہ خبر

سدھ راجہ جیا سمبھ کو پہونچی تو اس نے مسجد اور مناروں کو بنوانے کا حکم دیا چنانچہ مسجد بنا دی گئی، پھر کسی حملہ آور نے

غالباً تیرھویں صدی کے آغاز میں اس کو نقصان پہونچایا تو سید شرف تمین نے اپنے روپیے سے بنایا اور اسمیں چار

مینارے اور طلا کار قبے تعمیر کئے،

۱۲۴۱ء میں دشوپال لون پرشاد اور اس کے لڑکے کا جینی وزیر رہا، اس کے عہد میں کئی جینی مندر

بنائے اور کتب خانے وجود میں آئے، اس کے چند سال بعد یعنی ۱۲۹۳ء میں مرنیو سنو ڈر سیاح کا یہاں

گذر ہوا، وہ کہتا ہے کہ "یہ ہندوستان کے دو مشہور بندرگاہوں میں سے ایک ہے"

۱۳۰۴ء میں علاؤ الدین کی افواج نے اس پر قبضہ کیا، اور شہر کو نقصان پہونچایا، منادر کی بے حرمتی

کی گئی، باشندوں کا بیرحمانہ قتل عام ہوا، ہزاروں عورتوں اور بچوں کو قید کیا گیا، لاتعداد مال غنیمت سونا،
جواہر اور قیمتی پارچہ جات کی صورت میں لیجایا گیا، اس کے بعد "اختیار الدولۃ والدین" کے لقب سے یہاں ایک
گورنر کا تقرر ہوا، جو ۸ر ستمبر ۱۳۲۶ء میں وفات پاگئے، جیسا کہ ان کے مقبرہ کے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے، ابن بطوطہ
۱۳۴۵ء میں یہاں آیا، وہ اپنے سفرنامہ میں اس کی خوبصورتی اور نفیس اور پائدار مساجد وعظیم الشان عمارتوں
کی بڑی تعریف کرتا ہے، جنھیں غیر ملکی مالدار تجار نے بنایا تھا، اور وہ لکھتا ہے کہ "ان کی وجہ سے یہاں کی آبادی
میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے"، ابن بطوطہ کے ورود سے بیس برس پہلے یعنی ۵ر جنوری ۱۳۲۵ء میں جامع مسجد
بن چکی تھی، محمد تغلق کے حملہ سے جو باغیوں کی سرکوبی کے لئے ۱۳۴۶ء میں گجرات گیا تھا، اس کی فوج
سے اس شہر کو نقصان پہونچا، ایک دوسری شورش میں جو ۱۳۴۹ء میں برپا ہوئی، اس کو ملوائیوں کے تاخت و
تاراج سے خستگی کا سامنا ہوا، بعد ازاں سلطان کا اس پر قبضہ رہا، اور خود مختار شاہان گجرات کے ماتحت اس کے
دن پلٹنا شروع ہوے، احمد اوّل نے اس کی ترقی کے سامان کئے اور اس کی تجارت کو وسیع کیا، اس کی
حکومت کے اختتام پر نکل ڈی کانٹی یہاں پہونچا، وہ اس کی حالت یہ بیان کرتا ہے کہ "یہ چودہ میل کے گھیرے
کا نہایت عمدہ شہر ہے"، سولھویں صدی کے آغاز تک یہاں تجارت اور نفیس ساز و سامان میں ترقی ہوتی
رہی اور اس کا ہندوستان کے مشہور ترین بازاروں میں شمار تھا، ۱۵۳۵ء میں بہادر کے تعاقب میں
ہمایوں نے یہاں لوٹ مار کی اور ۱۵۳۸ء میں پرتگالیوں نے ڈان جاوڈ کاسٹرو کی ماتحتی میں اس پر قبضہ کیا
اور اسی کے حکم سے بے شمار مال غنیمت لوٹ کر شہر کو نذر آتش کر دیا گیا، اور اس کے بعد بھی ۱۵۷۳ء، ۱۵۸۳ء
اور ۱۶۰۲ء میں یہاں لوٹ مار کی گئی، اسی تباہی کے زمانہ میں یعنی ۱۵۸۵ء میں فریڈرس یہاں آیا اس کی حالت
خراب نہیں تھی، ۱۶۱۳ء میں یہاں انگریزوں کی تجارتی کوٹھی قائم ہوئی اور ۱۶۱۷ء میں ڈچ لوگوں نے
اس کو اپنی تجارتی کوٹھی کے لئے انتخاب کیا جو ۱۶۷۰ء میں بند کر دی گئی، اٹھارھویں صدی میں مرہٹوں
کی کرتوت سے دوسرے شہروں کا اس پر برا اثر پڑا، ۱۷۳۰ء میں مرزا جعفر گجرات کی مغل افواج کا

تنخواہ دار اور کھمبات کا عامل مقرر ہوا اور جو تین سال بعد کسی قدر خود مختار ہوگیا تھا، اور جسے ۱۷۳۳ء میں نجم الدولہ
مومن خاں بہادر فیروز جنگ کا خطاب دیکر وائسراے کے عہدہ پر فائز کر دیا گیا، اس نے اپنے داماد زین العابدین
نجم خان کو کھمبات کا گورنر مقرر کر دیا جو اپنے آخری لمحہ سے ۱۷۴۲ء تک اس عہدہ پر قائم رہا، اس کے بعد مرزا
جعفر کے لڑکے مفتخر خان نے نور الدین محمد خاں مومن خاں بہادر دوم کے لقب سے یہاں کی گورنری کی ۱۷۴۳ء
تک اس مدت میں نور الدین کی تعدی اور محصول کی زیادتی سے نصف آبادی کم ہوگئی، نور الدین کے
بعد یہاں کی زمام گورنری محمد قلی کے ہاتھ آئی جو نور الدین کا پالک اور زین العابدین کا لڑکا تھا، محمد قلی کی
شادی جاگتی خانم سے ہوئی تھی جو مومن خاں ثانی کی لڑکی تھی، محمد قلی نے ۱۰ سال حکومت کرکے وفات
پائی، پھر کھمبات محمد قلی کے بڑے لڑکے فتح علی کے ماتحت آگیا، جسے دہلی سے "نجم الدولہ ممتاز الملک مومن
خاں بہادر دلاور جنگ نواب کھمبات" کا خطاب ملا، فتح علی سے انگریزوں نے ۱۳ر دسمبر ۱۸۰۳ء میں ایک
معاہدہ کیا جس کی رو سے پیشواؤں کے سے حقوق کا انھیں استحقاق حاصل ہوا اور چند دنوں کے بعد ہی سے لگان
پران کو زمین دیجانے لگی، ۱۸۲۳ء میں نواب موصوف کا انتقال ہوگیا، اور ان کی جگہ ان کے بھائی بندہ علی
خان مومن خاں چہارم کو ملی، جو ۱۸۴۱ء میں فوت ہو گئے، اب ریاست کی باگ ان کے چھوٹے بھائی یاور علی
خاں کے ہاتھ میں آئی، مگر یاور علی نے اس سے دست بردار ہوکر اپنے لڑکے حسین یاور خاں مومن خاں پنجم کے
حوالہ کر دیا، آج کل یہاں کی آبادی ۳۱ ہزار ہے جنمیں ۲۲ فی صدی مسلمان ہیں، اب وہ پہلی سی
تجارت کی گرما گرمی نہیں رہی صرف بیش قیمت پتھروں کی تجارت ہوتی ہے، وہ بھی صرف چین سے

جامع کھمبات، جامع مسجد کا رقبہ ۲۱۲ فٹ مشرق سے مغرب اور ۲۵۲ فٹ شمال سے جنوب تک
ہے، لیکن اسی رقبہ میں جنوبی سمت کو صحن اور مقبرہ بھی شامل ہے، اس طرح ۵۵ فٹ کی لمبائی کم ہو جاتی ہے
مسجد کی اندرونی پیمائش ۱۸۹ × ۵۰ فٹ ہے، مسجد کے سامنے ایک صحن ہے، جو ۱۳۴ فٹ لمبا اور ۱۱۹ فٹ
چوڑا ہے، جس کے داہنے بائیں جانب ۹ فٹ برآمدے سے گھیرا گیا ہے، اور سامنے کا برآمدہ ۳۰۵ فٹ رکھا گیا

برآمدوں کے اختتام سے مسجد شروع ہوتی ہے، اس کی چھت کو ۱۵ ½ فٹ کی اونچائی کے ... استون اور ... مربع ستونوں کا سہارا دیا گیا ہے، اور ان کے علاوہ مسجد اور برآمدوں کی دیواروں کے اتصال پر تین تین ستون لگائے گئے ہیں، ستونوں کو قطار در قطار کچھ اس طرح طول وعرض میں قائم کیا گیا ہے، کہ مسجد کا فرش ۴۸ مربع میں تقسیم ہو جاتا ہے، صفت یہ ہے کہ انھیں ستونوں کو اوپر چوکھٹ لگا کر مثمن کر دیا گیا ہے، اور ان کے اوپر گنبد بنائے گئے ہیں، مسجد میں داخل ہونے کے لئے تین اصلی اور متعدد کمانیاں ہیں، ان پر نقش ونگار کیا گیا ہے، ان کے علاوہ اور اکثر جگہ منقوش پتھروں سے مسجد کی زینت کو دوبالا کیا گیا ہے، اس مسجد کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں نہ صرف مستورات کے لئے فرش کے اختتام پر برآمدوں سے متصل دو قبہ دار زینے بنے ہیں بلکہ ایک جگہ قومی اور مذہبی اجتماعات کے لئے مخصوص کی گئی ہے، صحن میں چار ستونوں کے سہارے پر ایک چھوٹا سا چھپر ... اس کے علاوہ مشرقی سمت کو ایک بڑا بند حوض ہے، فرش کے کچھ حصہ پر ۱۰ استونوں کے سہارے سے چھت بندی کی گئی ہے، اس چھپر کے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۲۲۱ھ میں علی بن عبد الغنی البغدادی نامی کسی بزرگ کی نگرانی میں حوض کی مرمت کی گئی تھی، اس کے بعد فاضل مصنف نے چند سطروں میں ان امور کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ حوضوں کی تعمیر اور محرابوں کا قبلہ نما ہونا، یہ محض مشرق کی مسیحی گرجاؤں کی نقل ہے اور محرابوں کے بیل بوٹے ہندو مناور سے مشابہ ہیں، اس لئے میں نے ان سطروں کو نظر انداز کر دیا ہے،

مسجد میں تین محرابیں ہیں جن پر بیل بوٹے اتارے گئے ہیں اور جنکو آیات قرآن سے زینت دی گئی ہے ان کے علاوہ متعدد منقوش کھڑکیاں ہیں، منبر حسب معمول بیچ کی محراب کے بائیں جانب واقع ہے، جسکی آٹھ سیڑھیاں ہیں اور اوپر کو چھوٹا سا مرمریں شامیانہ ہے، منبر تک جانے کے لئے امام کی آسانی کے خیال سے پچھلی دیوار میں ایک دروازہ ہے جس کی سیڑھیاں کچھ دور نیچے جا کر لب سڑک تک پہونچتی ہیں،

مقبرہ | مسجد کے جنوبی رقبہ کے ساتھ ہی ایک قبہ دار مقبرہ ہے جسکی اندرونی پیمائش ۴۹ × ۲۰۴ فٹ ہے، پورب پچھم ستونوں کی قطاریں ہیں جسکا قطر ۳۰ فٹ ہے دو قبریں ہیں اس میں داخلہ کا بڑا راستہ جنوبی سمت ہے

صدر دروازہ کے دونوں طرف کے کناروں میں سیڑھیاں بنی ہیں جو چھت تک جاتی ہیں، اسی طرح جنوبی دیوار میں سیڑھیاں ہیں جو باہر نکلتی ہیں، یہ دیکھکر نہایت افسوس ہوتا ہے کہ اس عجیب وغریب مقبرہ کی چھت گر گئی ہے، جس کے دوبارہ بنانے کی مطلق کوشش نہیں کی گئی، اس رقبہ میں مقبرہ سے متعلق ایک خاص مسجد (غالباً حجرہ) ہے، جسکی چھت دو گنبدوں پر مشتمل ہے، اس میں ایک طرف زنانہ زینہ (گیلری) ہے جسکو بوٹے دار پردوں سے گھیر لیا ہے، افسوس کہ پردے کا ایک حصہ خراب ہو گیا ہے، مگر بڑی مسجد کے پردوں کا بالکل نشان تک باقی نہیں ہے، جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے، چھت کے گرنے سے مزارات کو سخت نقصان پہونچا ہے، مزارات سنگ مرمر کے بنے ہیں، جو کمال صنعت ونقش ونگار کا نمونہ ہیں،

لوح مزار، ان میں سے ایک کا کچھ حصہ نو تعمیر ہے، سرہانے کے پتھر پر نہایت خوبصورت نقوش ہیں، اس کے حاشیہ پر ساڑھے بارہ آیات سورہ یٰسین کی کندہ ہیں، نصف سے کچھ زائد اوپر کا وہ حصہ جو کمانی دار ہے، اس پر دو حاشیے کھینچے گئے ہیں اور بیچ میں بشکل مثلث تھوڑی سی جگہ چھوڑی گئی ہے، پہلا حاشیہ نقش ونگار کے لئے وقف ہے، دوسرے حاشیہ میں سورۂ بقر کی ۲۵۶ ویں آیت ہے، مثلث جگہ میں نہایت خوبصورتی سے بلے حروف میں کلمہ شریف مرقوم ہے، مثلث کے نیچے ایک طرف انا للہ وانا الیہ راجعون اور دوسری طرف ہذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون، ۳۶/۵۲ لکھا ہے، مثلث کے نیچے مطلا کاری کی گئی ہے، جو بسم اللہ الرحمن الرحیم کچھ اس انداز سے لکھا گیا ہے، کہ بالکل بیل بوٹے معلوم ہوتا ہے، اس کے نیچے ایک مربع بنا ہے جس کے دائیں کناروں پر تیسری سورہ کی سولھویں اور سترھویں آیات منقوش ہیں، مربع کے اوپری حصہ میں سورۂ مذکور کی ۱۶۳ و ۱۶۵ ویں آیات ہیں، اس کے بعد اصل عبارت شروع ہوتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے، کہ اس قبر میں ایک عبد ضعیف، سعید شہید، مرحوم ومغفور، ملک الملوک، سرور الوزراء، رکن الملت والدین عمر بن احمد الکازرونی[۱] ملقب بہ زور الملک، آرام فرما ہیں، آپ

---

[۱] کازروں صوبہ فارس ایران کا ایک شہر ہے جو شیراز سے ۵۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے،

بروز چہار شنبہ ۹ صفر ۷۳۳ھ (مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۳۳۲ء) کو واصل بحق ہوئے"، مزار کے مغربی طرف کے حصار کے اوپری سمت کو ۱۴۴ دین سورہ کی ۲۵-۱۰ ویں آیات اور نیچے کو ۲۰، ۱۰۹ ویں آیات کیتبہ کی گئی ہیں،

اس رقبہ میں ایک دوسری قبر غالباً مذکور صاحب قبر کی صاحبزادی کی ہے، مگر چھت کے گرنے سے اس کا کتبہ خراب ہوگیا ہے، اس لئے یقین کے ساتھ کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی، جو کچھ پڑھا جاسکتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ "یہ قبر تاجِ دولت، فخرِ نسواں بی بی فاطمہ مرحومہ و مغفورہ کی ہے موصوفہ کو کربلائے معلی کی زیارت کا شرف حاصل ہے .... مرحوم حسین ـــــ زوجہ ... عمر.........

آپ ۱۱ شوال المکرم ۷۳۴ہجری (مطابق ۳ دسمبر ۱۳۳۳ء) کو واصل بحق ہوئیں"، اس عبارت کے اوپر لا الہ الا اللہ اور سورہ ۵۹ کی ۲۰-۲۴ ویں آیات منقوش ہیں، اس تختی پر دوسری سورہ کی ۲۵۶ ویں آیت بھی لکھی ہے،

ایک دوسری تختی پر سورہ فاتحہ اور چند الفاظ لکھے ہیں جن کا مطلب یہ ہے، "اے اللہ مرحومہ کو بخش دے اور مرحومہ کی قبر کو اپنے انوار افضال سے منور کردے، یا ارحم الراحمین"، ایک طرف تیسری سورہ کی سولھویں اور سترھویں آیت کا کچھ حصہ مرقوم ہے، ایک اور جگہ ۱۸۲ ویں آیت ہے،

اس احاطہ کے مشرق کے طرف دس ستونوں کے سہارے پر ایک چھتر ہے، ستون ہندو مناور کے ستونوں سے مشابہ ہیں، اس لئے مصنف کا خیال ہے کہ یہ کسی ہندو یا جین مندر سے لائے گئے ہیں، اس پر ایک کتبہ ہے، جو پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع ہو کر سورہ ۲۲ کی اٹھارویں آیت پر ختم ہوتا ہے، اس کے بعد آنحضرت صلعم کا ایک قول نقل کیا گیا ہے، کہ جو لوجہ اللہ ایک مسجد یہاں بناتا ہے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک گھر بنائے گا، اس حدیث شریف کے بعد جو عبارت ہے، اس کا مفہوم یہ ہے، "یہ مسجد اور جگہ اللہ اور فقط اللہ کے لئے اور اسی کے نام پر معنون ہے، یہ مبارک جامع مسجد اور مذہبی و قومی اجتماع کی یہ جگہ ایک خفیہ دولت بنائی گئی، جو اللہ کے فضل سے ہاتھ آئی اور آخرکار اسی کے نام پر صرف ہوئی اور وہ ہی اس کو شرف قبول

لہ معارف: مضمون نگار صاحب کتبہ کے اصل الفاظ نقل کرتے تو بہتر ہوتا،

بخشنے والا ہے، امیدوار رحمت، عبد ضعیف محمد البو تمارشیؒ (خدا اس کی نیک خواہشات کو پورا کرے اور ہدایت دے) نے بعہد حکومت عالم، عادل سلطان محمد شاہ خلد اللہ ملکہ بن سلطان تغلق شاہ ۱۰ محرم ۷۲۵ھ (مطابق ۵ جنوری ۱۳۲۵ء) میں تعمیر کیا"،

ایک علحدہ پتھر پر جو پرانی مسجد کا ہے یہ عبارت لکھی ہے، "بسم اللہ الرحمن الرحیم، ایک شاہی غلام بزمانۂ حکومت سلطان فیروز شاہ نے یہ مسجد تعمیر کی، اس کے بعد فارسی کے چھ اشعار ہیں، جن کا مفہوم یہ ہے: "یہ مسجد سلطانی طرز پر سلطان ظفر خان گستری (یا شوستری) کے عہد حکومت میں (۱۳۵۱-۸۸ء) بنائی گئی، ہجرت نبوی سے ۵، ۷ سال بعد (۷۸ء، ۱۳ء) یہ مسجد خدا کی عبادت کے لئے درست کی گئی، خدا کی رحمت ہو ان عبادت گذار بندوں پر جو اس مسجد میں آکر اس کے بنانیوالے کو بیکی خیر سے یاد کرتے ہیں"،

شہر میں اور اس کے ارد گرد مقبرۂ عمر الکازرونی کے طرز پر اور کئی مقبرے ہیں، ان میں ایک اختیار الدولہ والدین خزانچی شہر کھمبات ۵، ۲ جمادی الثانی ۷۱۶ھ مطابق ۱۷ ستمبر ۱۳۱۶ء کا ہے، دوسرا شہر سے ایک میل کے فاصلے پر مغربی جانب کو خواجہ خضر سے منسوب ہے، جسکی تاریخ تعمیر ۶۶۸ھ (۷۰-۱۲۶۹ء) ہے، تیسرا حاجی یوسف بن سید احمد بن محمد بن علی بن عبد السلام بن احمد الحاجب القریشی ۱۳ ربیع الاول ۷۱۱ھ (مطابق ۶ اگست ۱۳۱۱ء) کا ہے، چوتھا "مقبرہ فخر الدولہ والدین ابوبکر بن حسن بن محمد بن حسن بن عیسٰی القریشی الحکیم" کے نام سے مشہور ہے، جسکی تاریخ تعمیر ۱۱ صفر ۷۱۵ھ ہے (۲۹ اپریل ۱۳۱۵ء)

مقبرۂ خواجہ خضر کے پیچھے ایک مسجد خستہ حالت میں ہے جس پر فارسی اشعار نہایت خوشخطی سے منقوش ہیں، اس پر ۱۲۱۹ ہجری (۱۸۰۴ء) لکھا ہے،

یہ ہیں وہ یادگاریں جو ایک دور و دراز ساحلی مقام پر کاروانِ رفتہ کی شان و شوکت کا افسانہ سناتی ہیں۔

ــــــــــ

لہ اس نام کے نقطے غائب ہیں، اس لئے اس کا کئی طرح تلفظ کیا جاسکتا ہے، تاہم اس طرح لکھا ہے "محمد البو عماری"

شاہان مغلیہ کے نایاب نقرئی و مسی سکّے

جو

عجائب خانہ کلکتہ میں حال میں جمع ہو رہے ہیں،

از

شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب محقق آثار قدیمہ عجائب خانہ کلکتہ،

ٹکسال بھکر کا دام | (۱) اکبر بادشاہ کا مسی دام ٹکسال بھکر، یہ دام نہایت ہی نایاب ہے، کسی عجائب خانہ میں ہے اور نہ سکوں کے کسی تلاشی کے پاس ہے، صرف مسٹر اولیور (MR.E.E:OLIVER) نے ۱۸۹۹ء کے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل حصہ اول کے صفحہ ۲ میں ایک دام کا ذکر کیا ہے، جسمیں تاریخ نہیں ہے، صرف ۹۸۰ ہے، بابو اور کرشنا پال سنگھ ضلع ایٹا (یونائیٹڈ پروونس) نے جنوری ۱۹۲۴ء م ۱۳۴۲ھ میں مہربانی فرماکر ایک دام کلکتہ عجائب خانہ کے سکوں کے ذخیرہ میں عنایت فرمایا،

بھکر صوبہ ملتان کی سرکار میں تھا، دریائے سندھ کے جزیرہ پر ایک قلعہ ہے، اس پر واقع ہے جلال الدین اکبر نے ۹۸۱ھ م ۱۵۷۴ء میں اس قلعہ پر قبضہ کیا، اور یہ صرف تانبے کے سکوں کا ٹکسال بنایا گیا مستشرقین یورپ کے نیومیزمیٹک کا ریمارک یوں اس دام پر ہے، (AKBARS DAMS OF BHAKKAR ARE VERY SCARCE

ٹکسال گوکل پور کا روپیہ | (۲) شاہ عالم ثانی جس نے ۱۱۷۳ھ م ۱۷۵۹ء سے ۱۲۲۱ھ م ۱۸۰۶ء تک سلطنت کی تھی، ایک روپیہ ۱۱۹۶ھ م ۱۷۸۲ء سنہ ۲۳ جلوس کا گوکل پور ٹکسال کا سرجان مارشل صاحب ڈائرکٹر محکمہ آثار قدیمہ ہندوستان نے ۱۹۲۴ء میں خرید کر کلکتہ عجائب خانہ کے سکوں کے ذخیرہ میں عنایت فرمایا، اس ٹکسال کا ذکر ہی کہیں نہیں ہے، نہایت ہی نایاب سکہ ہے، غالباً سلطنت کے ۲۳ سال بعد شاہ عالم نے گوکل پور ٹکسال

کو بنگال کے اندر کہیں قائم کیا تھا، آج کل ناگ پور لائین میں ایک اسٹیشن گوکل پور نامی بنا ہے، شاید وہی ہو،

ٹکسال ہردوار تیرتھ | (۳) شاہ عالم ثانی ایک روپیہ ۱۲۱۴ھ م ۱۷۹۹ء جلوس ۴۱ سنہ کا جس کا دارالضرب ہردوار تیرتھ ہے، ڈائرکٹر موصوف نے عطا فرمایا ہے، یہ روپیہ بھی نہایت نایاب ہے،

یہ دارالضرب ہردوار ہندؤں کا مشہور تیرتھ (زیارتگاہ) ہے، گنگا کے کنارے واقع ہے، یہ قلمبند ہے کہ اکبر بادشاہ نے ہردوار تیرتھ کے دارالضرب میں سکے ضرب کیے تھے مگر صرف شاہ عالم ثانی کے چند روپے اس دارالضرب میں ضرب ہوئے ہیں، دو تو لاہور کے عجائب خانہ میں ہے سنہ ۱۲۱۲ھ سنہ ۳۹ جلوس اور دوسرا روپیہ اس ۱۲۱۴ھ کا ہے، پس صرف دو سکے سنہ ۱۲۱۴ھ کے دنیا کے عجائب خانہ میں ہیں،

"باقی"

گُلِ رَعنا

از

جناب مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلما لکھنؤ

جسمیں اردو زبان کی ابتدائی تاریخ، اور اس کی شاعری کا آغاز، اور ہر عہد کے باکمال اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار اور ان کے ہر قسم کے کلام کے نمونے درج ہیں، اور دار المصنفین اعظم گڈھ نے شایع کیا ہے، لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ ضخامت ۵۰۸ صفحے قیمت صہ،

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

قسطنطنیہ کے کتبخانے

قسطنطنیہ کو اگر ایک طرف یہ فخر ہے کہ اس کے دامن سے ترکوں جیسی شجاع و بہادر قوم وابستہ ہے تو اسے یہ بھی ناز ہے کہ تمام عالم اسلامی میں عربی کی نایاب کتابوں کا سب سے بڑا ذخیرہ اپنے آغوش میں رکھتا ہے، علامہ [illegible] مرحوم نے سفرنامہ میں لکھا ہے، "ترکوں کے علمی کارناموں میں جو چیز سب سے زیادہ قابل فخر ہے، وہ یہی کتب خانے ہیں ..... میں کافی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تمام اسلامی دنیا میں قسطنطنیہ عربی تصنیفات کا سب سے بڑا مرکز ہے"

لیکن عہد عثمانیہ میں ترکوں کی بڑی بدنصیبی تھی کہ انھیں ان بیش بہا نایاب کتابوں سے استفادہ کرنے کا موقع نصیب نہ تھا، اور نیز حکومت کی غفلت سے نایاب کتابوں کا بڑا ذخیرہ قسطنطنیہ سے باہر چلا گیا۔ علامہ مرحوم فرماتے ہیں "مجھ کو نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ نایاب کتابیں یہاں بالکل بے کار ہیں، اولاً تو یہ کتب خانے دن میں صرف دو تین گھنٹے کے لئے کھلتے ہیں، اس کے ساتھ سال میں دو تین مہینے مسلسل تعطیل رہتی ہے"

لیکن اب مملکت ترکیہ میں انقلاب حکومت کے ساتھ کتبخانوں کے نظام میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی ہے، اب ان کتبخانوں کے سپرد قسطنطنیہ کی زینت و آرائش میں اضافہ کرنے کے بجائے نوجوانان ترک کی علمی استعداد میں اضافہ کرنا ہے،

مجلۃ الزہرا (مصر) میں "کتبخانہ قسطنطنیہ" پر ایک وقیع مقالہ شایع ہوا ہے جسمیں مقالہ نگار نے عہد عثمانیہ میں کتبخانوں کے حالات بیان کرکے ان کے موجودہ نظم و ترتیب کے واقعات لکھے ہیں، اس مقالہ کی تلخیص جا بجا سے ذیل میں دیجاتی ہے جس سے وہاں کے کتبخانوں پر کافی روشنی پڑیگی،

عہد عثمانیہ میں نایاب قلمی کتابوں کے ضائع ہونے کے حالات لکھتے ہوئے لکھتا ہے "قاہرہ کے علماء

میں سے بعض کا بیان ہے کہ وہ پے در پے دو سال قسطنطنیہ گئے انھیں اپنے ان دو سفروں میں ایسا اتفاق ہوا کہ انھوں نے اپنے پہلے سفر میں کسی کتبخانہ میں کوئی نفیس اور نایاب قلمی نسخہ محفوظ دیکھا تھا، پھر جب وہ اپنے دوسرے سفر میں اس کتاب کو تلاش کرتے ہیں تو اسی جلد میں اصل کتاب کے عوض کوئی ایسی کتاب ملتی ہے جس کی قیمت چند قرش بھی نہیں ٹھہر سکتی،"

پھر کہتا ہے، "اور حقیقت یہ ہے کہ پایہ تخت عثمانیہ کے لئے یہ کوئی جدید امر نہیں، آج سے چند صدی بیشتر کا یہ واقعہ ارباب علم سے پوشیدہ نہیں کہ سولھویں صدی عیسوی کے وسط میں ہالینڈ کا قونصل فرنسیرا کابر علماء اسلام کی تصنیفوں میں سے کئی ہزار تصنیفات خرید کر قسطنطنیہ سے ہالینڈ لے گیا، اور اسی مجموعہ میں علماء اسلام میں سے تبریزی، ابن الجوالیقی، مقریزی، حافظ نسائی، عماد الکاتب، اور عبد اللہ بن الحساب النحوی کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی تحریریں موجود تھیں، یہ ذخیرۂ کتب لیڈن (ہالینڈ) کے مشہور کتب خانہ کیلئے جو اس وقت دنیا کے بڑے سے بڑے عربی کتبخانوں میں ہے، پہلا ابر کرم تھا، لیڈن کا یہی وہ کتب خانہ ہے جس کے زیر اہتمام یورپ اور خصوصاً مطبع بریل سے اکثر عربی کتابیں طبع ہو کر شایع ہوتی رہتی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ یورپ کی مطبوعہ کتابیں التزام صحت کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتی ہیں"

پھر مملکت ترکیہ میں انقلاب حکومت کا تذکرہ کرکے لکھتا ہے، "کمالیوں کے درمیان جب نظام سلطنت پر مباحثے شروع ہوئے تو کتبخانوں کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا، اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ طے ہوا کہ کتبخانوں کی جانچ پڑتال کرکے کتابوں کے اعداد و شمار حاصل کئے جائیں، چنانچہ یہ کام ڈیڑھ سال میں اختتام کو پہونچا، اس کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ تمام کتابوں کی دو قسمیں کی جائیں، پہلی قسم کی وہ کتابیں ہیں جن کے مطالعہ کی عام طریقہ سے ضرورت پیش نہیں آتی، ایسی کتابوں کے نظام کا فیصلہ آیندہ کے لئے اٹھا رکھا جائے، دوسرے وہ کتابیں ہیں جن کی ادبا و طلبہ کو آئے دن ضرورتیں رہتی ہیں، ایسی تمام کتابوں کے متعلق فیصلہ کیا گیا کہ وہ یونیورسٹی قسطنطنیہ کے کتب خانہ سے ملحق کر دی جائیں،" اس کے بعد قسطنطنیہ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں کتابوں کے ذخیرے کا

تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے،

"اب یونیورسٹی کا یہ کتب خانہ متعدد خزائن کتب کا مجموعہ ہے،"

۱۔ جو مدارس، قسطنطنیہ یونیورسٹی سے ملحق ہیں، ان سب کے تمام کتبخانے یونیورسٹی کے کتبخانہ سے ملحق کر دیئے گئے ہیں، ان کتب خانوں کی اکثر کتابیں زبان ترکی اور یورپ کی دیگر زبانوں میں زمانۂ حال کے مصنفین کی ہیں،

۲۔ سلطان عبد الحمید خاں کا وہ بیش بہا کتبخانہ مع سامان آرائش (فرنیچر) کے اس میں منتقل کر دیا گیا ہے، جو پہلے قصر یلدز میں قائم تھا، قصر یلدز کی کتابوں کی تعداد ۲۵ ہزار ہے، جنمیں عبد الحمید خاں کے عہد حکومت کی تمام مطبوعہ کتابیں ہیں، اور بعض نادر و نایاب قلمی کتابوں کا بھی ذخیرہ ہے، جو اپنے حسن کتابت کے لحاظ سے بہت زیادہ مرغوب ہیں، اور نیز اس میں تاریخ عثمانی سے متعلق صدہا دستاویزات اور معاہدے محفوظ ہیں، اسی طرح اس میں وہ تمام قیمتی کتابیں ہیں جنھیں مختلف حکومتوں نے سلطان عبد الحمید کو ہدیۃً بھیجی تھیں،

۳۔ تقریباً چالیس ہزار ایسی کتابیں ہیں جو قسطنطنیہ یونیورسٹی کو سوئزرلینڈ اور مصر سے بعض ترک رئیسوں نے ہدیۃً بھیجی ہیں،

۴۔ کتبخانوں سے متعلق جمہوریہ ملیہ کے فیصلہ کے مطابق قسطنطنیہ کے متعدد کتبخانوں سے وہ سب کتابیں یہاں بھیج دی گئی ہیں، جن سے اہل علم اکثر مستفید ہوتے رہتے ہیں، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا، لیکن ان کتابوں کی تعداد اور ان کی نوعیت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت انکی قیمتوں کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، اگرچہ فی نفسہ ان کتابوں کا قسطنطنیہ کی بہترین کتابوں میں شمار ہے، جیسا کہ سب سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے،

غرض یونیورسٹی کا کتب خانہ اپنی روز افزوں ترقی پر ہے، اگر ترقی کی یہی رفتار رہی تو امید ہے کہ اس کا مجموعی ذخیرہ جلد از جلد ایک لاکھ پچھتر ہزار تک پہونچ جائیگا، اور اس وقت بھی قسطنطنیہ میں فرانسیسی زبان کی تمام مطبوعات برابر آتی رہتی ہیں، جو اسی کتبخانہ سے ملحق کر دی جاتی ہیں"

پھر مقالہ نگار تنظیم کتب خانہ کے سلسلہ میں لکھتا ہے،

"گذشتہ سال قسطنطنیہ سے ایک نوجوان ترک فہمی بک کو یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کتبخانوں کی تنظیم کا فن حاصل کرنے کیلئے فرانس بھیجا گیا، فرانس میں فہمی بک پہلے مدرسہ سارت میں داخل ہوئے جہاں علمی اکاڈمی کے طریقہ پر تاریخی عہدنامے اور دستاویز وغیرہ یاد کرائے جاتے ہیں، لیکن یہ مدرسہ انکے حصول مقصد میں معاون نہ ہو سکا، اس لئے وہ ایک دوسرے مدرسہ میں منتقل ہو گئے، جسے امریکن اشخاص نے ابھی حال میں پیرس میں قائم کیا ہے، یہ مدرسہ عہدہ داران کتب خانہ کو امریکن طریقہ پر تعلیم دینے کیلئے قائم کیا گیا ہے، اس میں دو طریقوں سے تعلیم دیجاتی ہے، پہلے نظری پھر عملی، تعلیم نظری میں، فن طباعت، تاریخی کتبوں کے حل اور اصول تاریخ پر لکچر دیئے جاتے ہیں، پھر عملی تعلیم کا یہ طریقہ ہے کہ وہاں کے کتبخانہ وطنیہ کبری کی کتابوں کی جو تقریباً تیس لاکھ ہیں، ترتیب و تنظیم سمجھائی جاتی ہے، فہمی بک نے اس مدرسہ میں داخل ہو کر ان علمی و نظری اسباق سے کافی فائدہ اٹھایا، علاوہ ازیں انھوں نے ساربون یونیورسٹی کے کتبخانہ میں جسمیں تقریباً دس لاکھ کتابیں ہیں اور دیگر کتبخانوں میں جاکر اپنے معلومات میں اضافہ کیا، نیز انھوں نے ان کتبخانوں کی بھی سیر کی جو فرانس میں امریکہ کے طریقہ پر قائم ہیں، کیونکہ امریکہ میں کتبخانوں کی کثرت کی یہ انتہا ہے کہ وہاں تقریباً ہر پردہ اور ہر گاؤں میں علحدہ علحدہ کتبخانے قائم ہیں، اور جن گاؤں میں کتبخانے موجود نہیں ہیں انکے لئے سفری کتبخانے قائم ہیں، جو ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں، امید ہے کہ فہمی بک قسطنطنیہ واپس جاکر وہاں کے کتبخانوں کی بہترین اصول پر تنظیم کریں گے،

پھر مقالہ نگار سب سے آخر میں لکھتا ہے "اب آجکل قسطنطنیہ میں یونیورسٹی کے کتبخانہ کی کتابیں شمار کی جا رہی ہیں، ساتھ ساتھ ایک جامع فہرست بھی مرتب ہو رہی ہے، لیکن افسوس ہے کہ قسطنطنیہ سے جو نوادر علمی پیشتر ضائع ہو چکے ان کا نعم البدل بڑی سے بڑی مالی قربانی بھی عطا نہیں کر سکتی"

فرانس شمالی افریقہ میں

موجودہ جنگ ریف و اسپین نے مسلمانوں کے دلوں میں شمالی افریقہ کی یاد ایکمرتبہ پھر تازہ کردی کہ یہی وہ سرزمین ہے جو صدہا برس فرمان روایانِ اسلام کے زیر نگیں رہی، اور جس طرح آج یہ تاریخی خطہ یورپ کی حکم برداری کا جوا اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے ہے اسی طرح کبھی اسی سرزمین کی اسلامی حکومتیں اسپین فرانس اور اٹلی کے بعض زرخیز صوبوں پر حکمرانی کرتی تھیں، ہائے، زمانہ نے اب کروٹ بدلی، اور محمد بن عبد الکریم نے ریف کی پہاڑیوں کی چوٹی پر سے اعلان کیا کہ: غلامی کی مدت ختم ہوچکی اب ریف بھی آزادی کا طالب ہے، امید ہے کہ ریف کی آزادی، پورے شمالی افریقہ کی آزادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی، کہ فطرت، جنگ ریف سے تمام شمالی افریقہ کو آزادی کے حصول کا سبق سکھائے گی، چنانچہ مدیر مجلۂ الہلال مصر کا خیال ہے کہ "فرانس غازی محمد بن عبد الکریم سے ریف کے چھوٹے سے ٹکڑے کیلئے نبرد آزما نہیں، بلکہ اب اُسے تمام مقبوضات شمالی افریقہ کی فکر دامنگیر ہے، اسی مناسبت سے مدیر مجلۂ الہلال مصر نے جنوری کے پرچہ میں فرانس کے مقبوضات شمالی افریقہ کے حالات پر ایک مقالہ لکھا ہے جسمیں الجزائر، ٹیونس اور مراکش کے نظام حکومت، طریقہ تعلیم اور دیگر ملکی حالات پر مفصل اعداد و شمار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ فرانس، شمالی افریقہ پر مستحکم قدم جمانے کیلئے کس حکمت عملی سے آہستہ آہستہ تمام شمالی افریقہ کو اپنی خوبو میں رنگ رہا ہے، ذیل میں اسی مقالہ کی پوری تلخیص درج کی جاتی ہے،

الجزائر

الجزائر بحر ابیض متوسط کے کنارے تقریباً ۱۰۰۰ کلومیٹر (ایک کلومیٹر ۱۰۸۳ گز کا ہوتا ہے) میں پھیلا ہوا ہے، اس کے شمالی سلسلۂ کوہستان میں قبائل بربر سکونت پذیر ہیں جو اس وقت تک اپنی قومی اور وطنی روایات سنبھالے ہوئے ہیں، اور اس کے جنوب میں عرب اور بربری قبائل رہتے ہیں، اس وقت یہ پورا اسلامی خطہ فرانس کے زیر حکومت ہے، الجزائر کو اس لحاظ سے خاص امتیاز حاصل ہے کہ اس کا ایک نمایندہ فرانسیسی

پارلیمنٹ میں بھی منتخب کیا جاتا ہے، اہل جزائر کے اجتماعی طرز بود و باش میں آہستہ آہستہ فرانسیسیوں کے طرز زندگی کا رنگ غالب ہوتا جاتا ہے، ان کے مدارس میں ابتدائی تعلیم بھی فرانسیسی زبان میں ہوتی ہے،

الجزائر کو چار اضلاع میں تقسیم کیا گیا ہے، ایک "الجزائر" ہے جسمیں ۱،۰۰۰۰۰۵ باشندے ہیں، دوسرا "قسطنطنیہ" ہے جسکی آبادی ۲۱۶۲۵۱۴ ہے، تیسرا "وہران" ہے اس کے باشندوں کی تعداد ۱۳۰۵۰۱۰ ہے، اور چوتھا ضلع جنوبی آبادی پر مشتمل ہے اس کی مردم شماری ۴۴۰۶۰۴۵ تک پہونچی ہے، اس طرح الجزائر کی مجموعی آبادی تقریباً ساٹھ لاکھ ہے، لیکن یہ سب کے سب وہاں کے خاص باشندے یعنی قبائل عرب، بربر اور زنگی نہیں ہیں کیونکہ ساٹھ لاکھ میں سے تقریباً دس لاکھ یورپین ہیں، گویا وہاں چھ میں ایک یورپین ہے،

وہاں کا نظام حکومت، فرانس کے نظام حکومت کے مثل ہے صرف فرق یہ ہے کہ وہاں ایک فرانسیسی حاکم مقرر ہوتا ہے جس کے ماتحت ایک "مجلس اعلیٰ" ہوتی ہے جو ۱۶۰ ارکان سے مرکب ہوتی ہے ان میں سے ۱۲۱ ارکان عام انتخاب کے ذریعہ منتخب ہوتے ہیں اور باقی ارکان، حکومت کی طرف سے نامزد کئے جاتے ہیں، یہی "مجلس اعلیٰ" نظام حکومت میں حاکم الجزائر کی معاون ہوتی ہے اور اسی کے ذریعہ اہم قرار دادیں منظور ہوتی رہتی ہیں، اس مجلس کے علاوہ ایک دوسری مجلس بھی ہے جو مالی ارکان سے مرتب ہوتی ہے یہ ارکان تجارتی و مالی انجمنوں کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں، گورنر جنرل بجٹ کی منظوری میں اس مجلس سے مشورہ طلب کرتا ہے، ۱۹۱۹ء کے پہلے تک فرانسیسیوں پر ٹیکس لگانے میں چند خاص رعایتیں رکھی گئی تھیں، لیکن ۱۹۱۹ء سے یہ امتیاز مٹا کر فرانسیسیوں اور ملکی باشندوں میں مساوات پیدا کردی گئی،

الجزائر کے مدرسے فرانسیسی طرز تعلیم پر جاری ہیں، وہاں صرف ایک یونیورسٹی ہے جس سے الجزائر کے تمام مدرسے ملحق ہیں، ان مدرسوں میں تعلیم کے تین درجے قائم ہیں، اوّل ابتدائی پھر درجہ ثانوی اور پھر درجہ عالی، ان تمام مدرسوں میں ذریعہ تعلیم فرانسیسی زبان ہے،

عام باشندے زراعت پیشہ ہیں، ہر قسم کے غلہ کی زراعت ہوتی ہے، زیتون کے باغ بھی کثرت سے

ہیں، اس کے درخت ایک کرور تیس لاکھ سے زیادہ ہوں گے،

ٹیونس

ٹیونس، الجزائر کے مشرق میں واقع ہے، یہ اس وقت فرانسیسی حکم برداری میں ہے، یہاں کی آبادی ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے ۲۰۹۳۹۴۰ ہے جسمیں ۸۴۷۹۹ اٹلی کے باشندے ہیں، ۵۴۴۷۶ فرانسیسی اور ۱۳۵۲۰ مالٹا کے رہنے والے ہیں، ٹیونس میں باشندگان اٹلی کی کثرت تعداد ایک ایسا معمہ ہے جسے آج تک فرانسیسی بھی نہ حل کر سکے، اسی کثرت تعداد کی بنا پر فرانسیسیوں اور اٹلی والوں میں اقتصادی منافع کیلئے ہمیشہ چشمک رہتی ہے، شاہ ٹیونس یہاں کا موروثی بادشاہ ہے لیکن وہ فرانسیسی رزیڈنٹ کے اشارہ پر چلنے پر مجبور ہے، اسی فرانسیسی رزیڈنٹ کے ہاتھ میں عنان حکومت، امور خارجیہ اور فوجی نظم و نسق ہے، اور یہی مجلس کا صدر بھی ہوتا ہے،

ٹیونس کے مدارس میں دو زبانوں میں تعلیم دیجاتی ہے، ایک عربی میں ہے جو بچوں کو ابتدائً پڑھائی جاتی ہے، اس کے لئے ۵۴۲ مکتب خانے قائم ہیں جنمیں تقریباً ۲۰۰۰۰ طلبہ پڑھتے ہیں، اور دوسری فرانسیسی زبان کی تعلیم ہے، اس کے ۳۸۱ مدارس ہیں جنمیں ۵۱۵۰۰ طلبہ زیر درس ہیں،

الجزائر اور ٹیونس کے اصلی باشندے مسلمان ہیں، لیکن ٹیونس میں ان عربوں کے درمیان ۴۵۰۰۰ عیسائی بھی وطن پذیر ہیں، یہاں کے باشندے بھی زراعت پیشہ ہیں، جو زیادہ تر غلہ اور انگور وغیرہ کی زراعت کرتے ہیں، یہاں کی عام برآمد یہ ہے جو اسی ترتیب کے ساتھ زیادہ ہوتی ہے، زیتون کا تیل، مختلف غلّے،

مراکش

مراکش بھی فرانسیسی حکم برداری میں ہے، صرف شمال میں ایک چھوٹا سا ٹکڑا اسپین کے ماتحت ہے، اسی شمالی ٹکڑے میں بلاد ریف واقع ہے، جو اس وقت محمدؐ بن عبد الکریم کے زیر قیادت فرانس اور اسپین سے نبرد آزما ہے، باقی رہا طنجہ تو وہ اس وقت بین الاقوامی ہے، مراکش کا نظام حکومت بھی ٹیونس کے

مانند ہے، کیونکہ سلطان مراکش بھی موروثی حاکم ہیں، اور ٹیونس کی طرح یہاں کا نظم حکومت بھی فرانسیسی ہائی کمشنر کے ہاتھ میں ہے، جو نہ صرف داخلی حکومت میں دخیل ہے بلکہ مراکش کے تمام امور خارجیہ اسی سے متعلق ہیں، اس لحاظ سے یہ وزیر خارجیہ کا بھی قائم مقام ہے، اسی طرح فوج پر بھی اسے پورا تسلط ہے، اور جنگی بیڑے کی عنان بھی اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے، سلطان مراکش کے لئے یہ ناممکن ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف ادنی سے ادنی قانون بھی نافذ کر سکیں، یہاں چار وزارتیں قائم ہیں ایک وزارت کبریٰ، امور داخلیہ کے لئے، دوسری وزارت عدل، تیسری وزارت اوقاف کے انتظام کے لئے، اور چوتھی وزارت حکومت کی آراضی خاص کی دیکھ بھال کے لئے قائم ہے، فرانسیسی ہائی کمشنر اس مجلسِ حکومت کی معاونت کرتا ہے، جو مہینہ میں ایک مرتبہ اپنا اجلاس کرتی ہے، یہ مجلس حکومت وزراء اور فرانسیسی حکم برداری کے مقرر کردہ جلیل القدر عہدہ داروں اور تجارتی مجالس کے نمایندوں سے مرتب ہے،

مراکش کی کوئی مکمل مردم شماری اس وقت تک دستیاب نہ ہو سکی لیکن فرانسیسی خطۂ مراکش کی آبادی تقریباً ۵۴۰۰۰۰ ہے، البتہ بعض شہروں کی مردم شماری کے اعداد و شمار مل گئے ہیں، جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں،

نام شہر	مراکشی	فرانسیسی	اسرائیلی
فاس،	۶۰۶۳۹	۱۸۹۱	۶۷۸۴
مراکش،	۱۲۶۸۷۵	۱۴۹۴	۱۱۰۴۳
دار بیضاء،	۴۸۷۹۰	۱۹۰۹۸	۱۳۰۱۰
مکناسہ	۲۸۲۰۷	۱۸۶۳	۵۸۶۳

اس نقشہ سے واضح ہوتا ہے کہ فرانسیسی زیادہ سے زیادہ تعداد میں مراکش میں وطن پذیر ہوتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس وقت ملک کے اندرونی حصوں میں بھی داخل ہوگئے،

سنہ ۱۹۲۱ء میں مراکش کے مدرسوں کے اعداد و شمار شائع ہوئے تھے، ان سے معلوم ہوا کہ وہاں ۰۰ مدر
میں خاص فرانسیسی زبان میں تعلیم دیجاتی ہے، ۵ مدارس ایسے ہیں جہاں فرانسیسی زبان میں، تعلیم دیجاتی
ہے، اور ۴۳ مدرسوں میں فرانسیسی اور اسرائیلی زبان ہے،

یہاں کے باشندے بھی زراعت پیشہ ہیں، یہاں کی اہم برآمد جو اسی ترتیب سے زیادہ ہوتی ہے، یہ ہیں،
انڈے، السی، چمڑا، لوبیا، بادام، اور جو،

شعر الہند

(حصہ اول)

از

مولانا عبد السلام صاحب ندوی

شروع سے آج تک کے اردو شعراء پر اور ان کے ہر قسم کے کلام
کی تنقید اور اصناف شاعری پر بحث اور ہر صنف پر مستقل نقد، لکھائی
چھپائی کاغذ اعلیٰ، قیمت :- للعہ

"منیجر"

اخبار علمیہ

مصر میں تعلیمی جد و جہد، مصر کے مدارس اور طلبہ کے آخری اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ مدارس مصر کے
سال سنہ ۱۹۲۴ء سنہ ۱۹۲۵ء میں تمام قسم کے مدارس کی مجموعی تعداد ۷۵۷۳، اور وہاں کے طلبہ کی تعداد ۱۶۱۴۶۳ تھی، اگر
ان اعداد و شمار کا آج سے تین سال پیشتر یعنی سنہ ۱۹۲۱ء سنہ ۱۹۲۲ء سے موازنہ کیا جائے تو ان تین سالوں میں مدارس
میں ۱۶ فیصدی اور طلبہ میں ۲۴ فیصدی کا اضافہ ثابت ہوگا،

اس مجموعی تعداد میں سے قاہرہ میں ۱۱۰ مدارس ہیں جنمیں اس وقت ۱۲۴۴۵۳ طلبہ زیر درس ہیں،
اور اسکندریہ میں ۳۵۵ ہیں جہاں ۵۶۱۱۹ طلبہ ہیں، دیگر اضلاع میں سے غربیہ میں ۱۰۲۱ مدارس، منوفیہ میں ۶۲۴،
دقہلیہ میں ۵۶۱، اور شرقیہ میں ۵۱۵ مدرسے ہیں،

مشرق کی بیداری، مغرب کے ارباب فکر میں یہ سوال آجکل بہت زور شور سے زیر بحث ہے کہ کیا
مشرقی ممالک کا موجودہ ہیجان اسکی حقیقی بیداری کے ہم معنی ہے؟ چنانچہ ولایات متحدہ امریکہ میں ایک سیاسی
انسٹیٹیوشن، ولیمسٹن انسٹیٹیوشن کے نام سے قائم ہے، جو حکومت کے مشکلات پر انسان کے حاوی ہوجانے کے
ذرائع سوچنے کے لیے قائم کیا گیا ہے، اس نے ابھی سب سے آخر میں ایک کتاب "مشرق کی بیداری" کے موضوع پر
شائع کی ہے، جس میں چند ایسے ماہرین کے نتائج افکار ہیں جنھیں امور مشرقیہ میں کافی دستگاہ حاصل ہے، منجملہ
ان کے انگلستان کے مشہور اہل قلم سر ائٹن شرول کا بھی ایک مضمون ہے، جس میں انھوں نے مصر اور ہندوستان
پر اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں اور بدلائل ثابت کیا ہے کہ مشرق کی موجودہ بیداری حقیقی بیداری ہے، اور ساتھ
ساتھ اہل مغرب کو متنبہ کیا ہے کہ اب مغرب، مشرق کا گلا گھونٹنے سے عاجز آچکا ہے، اسلیے ارباب سیاست

خصوصاً امریکن اشخاص کو چاہیے کہ وہ مشرق کی اس بیداری کو حقیقی اور سچی بیداری سمجھنے کی کوشش کریں"

اس کتاب میں ایک فصل جاپان کے اہل قلم مسٹر توسینی کے قلم سے بھی شائع ہوئی ہے، ان کا خیال ہے کہ "مشرق ابھی پوری طرح بیدار نہیں ہوا ہے لیکن ہاں یہ یقین ہے کہ عنقریب بیدار ہو کر رہے گا"

شمالی یورپ میں اسلامی سکے، ڈاکٹر جارج یوگوپ کا بیان ہے کہ ۱۷۸۳ء میں جزیرہ آئس لینڈ میں چند اسلامی سکے پائے گئے تھے، اسی طرح قطب شمالی کے قریب جزیرہ گرین لینڈ میں بھی پائے گئے تھے، اسی طرح یورپ کے شمالی حصہ خصوصاً روس، جرمنی، اور سوئڈن میں اسلامی سکے کے متعدد خزانے دستیاب ہوئے تھے، لیکن یہ ابھی تک حل نہ ہو سکا کہ یہ اسلامی سکے یہاں تک کیسے پہنچ گئے، ۱۸۳۰ء میں پروفیسر ٹرنبرگ نے بلاد سوئڈن کے ان مقامات کو شمار کیا تھا جہاں عربی سکے برآمد ہوئے تھے تو ان مواضع کی مجموعی تعداد ۷۹ تک پہنچی تھی، اور ۱۸۷۳ء میں ڈاکٹر ہانس ہلڈ برانڈ نے چاندی کے ان تمام عربی سکون کو جو جزیرہ جٹ لینڈ میں دستیاب ہوئے تھے شمار کیا تو وہ ۱۳ ہزار سے زیادہ تھے، اس سلسلہ میں ایک حیرت انگیز اطلاع یہ ہے کہ بلغاریہ، جرمنی، ناروے انگلستان کے ایسے بہت سے سکے برآمد ہوئے ہیں جن پر نہایت خوبصورت کوفی خط میں نقوش کندہ تھے،

ہوا سے نٹروجن کا حصول، نٹروجن تمام عناصر میں ایک نہایت اہم عنصر ہے، یہ زراعت کیلیے نہایت کار آمد ہوتا ہے، مصر میں نٹروجن کے مرکبات گیہوں اور باجرا کے کھیتوں میں کھاد کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں، اس لئے مصر کے کاشتکار نٹروجن کو زراعت کی ضروریات میں جنوبی امریکہ سے شلی کے روانہ کرنے سے پہلے بھی استعمال کرتے تھے کیونکہ ان اطراف میں دریا کے ساحلوں پر ایسے پرندے پائے جاتے ہیں، جنکی بیٹ میں نٹروجن کے اجزا موجود ہوتے ہیں، یہی بیٹ کاشتکاروں کو بھیجی جاتی ہے، جو کھاد کے کام میں آتی ہے، لیکن اب یہ بیٹ باوجود اپنی کثیر مقدار کے ختم ہونے کے قریب ہے، اس لئے ماہرین کیمیا نے ایسے طریقے نکالے ہیں جن سے

کسی دوسری جگہ سے نٹروجن کے مرکبات حاصل کئے جا سکتے ہیں، یہ معلوم ہے، کہ نٹروجن کا بڑا حصہ ہوا میں پایا جاتا ہے کیونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایک میل مربع زمین کے بالائی حصہ پر ہوا میں بیس کروڑ ٹن نٹروجن پایا جاتا ہے، لیکن اس کے ہوا میں ہونے کی وجہ سے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، اس لئے ماہرین کیمیا نے اسے ہوا سے اخذ کرنے کے دو طریقے دریافت کئے ہیں، اور آج یورپ میں انہی طریقوں پر عمل درآمد ہے۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ایک نہایت سخت کہربائی کمان تیار کی جاتی ہے، پھر اس میں ہوا داخل کیجاتی ہے، اس طریقہ سے نٹروجن کے اجزا ہوا سے علحدہ ہو کر کہربائی طاقت کی بنا پر اس کمان میں ثبت ہو جاتے ہیں، اور دوسرا طریقہ یہ ہے جو عام طریقہ سے معلوم ہے کہ جب نٹروجن اور ہڈروجن ایک ساتھ ملا کر گرم کئے جاتے ہیں تو ان سے ایک نٹروجن کا مرکب تیار ہوتا ہے جسے امونیہ کہتے ہیں اور یہ امونیہ ہیڈروجن اور نٹروجن میں تھوڑا سا لوہا ملا دینے سے جلد از جلد تیار ہو جاتا ہے، اس طرح تھوڑے سے نٹروجن سے اسکی کثیر مقدار حاصل ہو جاتی ہے۔

اس وقت انہیں دو طریقوں سے یورپ کے کارخانوں میں نٹروجن حاصل کیا جاتا ہے، اور خصوصاً جرمنی میں آجکل ان طریقوں پر نہایت زور شور سے عمل درآمد ہو رہا ہے، کیونکہ دول حلفاء نے جرمنی میں جنوبی امریکہ سے نٹروجن کے داخلہ کی ممانعت کر دی ہے، اس لئے وہ ان طریقوں کو کام میں لانے پر مجبور ہوئے چنانچہ اس وقت جرمنی کے بہت کارخانوں اور دیگر ضروریات میں انہیں طریقوں سے حاصل کیا ہوا نٹروجن صرف کیا جا رہا ہے،

انگلستان اور فرانس میں تعلیمی اخراجات کا موازنہ، بیان کیا جاتا ہے، کہ اگر فرانس میں مقیم رکر ایک سال کے تعلیمی اخراجات کیلئے ۱۵۰ پونڈ کافی ہوتے ہیں، تو انگلستان میں ۲۰۰ پونڈ چاہئیں، کیا انگلستان کے دعوی اشاعت تعلیم کا مزید ثبوت نہیں؟،

ایک جدید آلہ، امریکہ میں ابھی حال میں ایک ایسا آلہ ایجاد ہوا ہے جو اپنی ظاہری شکل وصورت [illegible] معنوی حیثیت سے بالکل ہاتھ کے مشابہ ہے، کیونکہ دیکھنے میں اس آلہ کی شکل ایسی ہے کہ گویا وہ انسان کا ایک [illegible] ہے جیسیں پانچ پتلی پتلی انگلیاں بھی لٹک رہی ہیں، سردست اس آلہ کا یہ کام ہے کہ اس میں بوتلیں اور شیشیاں ڈال دی جاتی ہیں، وہ پہلے ان بوتلوں پر لیبل لگاتا ہے پھر انھیں کاگ سے بند کر دیتا ہے، اس کے بعد اسی [illegible] پر اپنے کارخانہ کی مہر ثبت کر دیتا ہے، یہ تمام کام صرف اسی آلہ سے بہت جلد انجام پا جاتے ہیں، اس طرح [illegible] ایک مختصر سا آلہ دس مزدور کے عوض جلد از جلد کام کرتا ہے،

نئی کتابیں کیوں بکتی ہیں؟ لندن کی کسی بک ایجنسی نے فسانہ کی ایک کتاب شائع کی، جب اس [illegible] تمام نسخے فروخت ہو چکے تو اس نے اس کے خریداروں میں سے ۴۲۲۶ اشخاص کے نام خطوط بھیجکر ان سے اس کتاب کی خریداری کا سبب دریافت کیا، ان خریداروں نے جس جس نوعیت کے جوابات دیئے ان کے اعداد و شمار یہ ہیں:- ان میں سے ۱۱۰ اشخاص نے یہ بیان کیا کہ انھوں نے اپنے احباب سے اس کتاب کی تعریفیں سنیں اور انھیں کے مشورہ پر ایجنسی سے کتابیں طلب کیں، ۸۰۴ خریداروں نے اس کتاب پر مختلف رسائل میں تنقیدیں پڑھکر اسے خریدا، ۴۱۱ خریداروں نے مختلف رسائل میں اس کتاب کے اقتباسات دیکھے تھے، ۸۶ [illegible] نے اس لئے خریدا کہ وہ اسی مصنف کی دوسری کتابیں پڑھ چکے تھے جو انھیں پسند آئی تھیں، ۴۸ آدمیوں نے یہ بیان کیا کہ وہ اس فسانہ کو پہلے کسی رسالہ میں بالاقساط دیکھ چکے تھے، اس لئے اس کی طباعت کے بعد اسے مسلسل دیکھنے کا شوق پیدا ہوا، اور صرف ۲۲ اشخاص نے اس لئے وہ کتاب خریدی کہ وہ ملک کی ادبی جد وجہد سے ہمیشہ واقف رہنا چاہتے ہیں، شاید یہ اعداد و شمار ہندوستان کے کتب فروشوں کے لئے سود مند ثابت ہوں،

ادبیات

تحفۂ گرامی،

جناب شیخ غلام قادر صاحب گرامی منصبدار سرکار نظام دکن خلداللہ ملکہ،

در فقر نہفتہ اند میری ‎ ‎ ‎ از گرسنگی چکیدہ سیری

ماشکوہ فروش و سست عہدیم ‎ ‎ ‎ تو زود نواز و دیر گیری

اللہ اللہ چہ بے مثالی، ‎ ‎ ‎ سبحان اللہ چہ بے نظیری

کارے ز عبودیت کُشاید ‎ ‎ ‎ آزادی ماست در اسیری

دی پیر طریقتم چہ خوش گفت ‎ ‎ ‎ اے دوست بمیر تا نمیری

یکچند نشیں بمسند فقر، ‎ ‎ ‎ برخیز ز خواجگی و میری

از دہر دو رنگ رخت بستیم ‎ ‎ ‎ ہیچ است چہ طفلی و چہ پیری

یک عشوہ چہ اوّل و چہ آخر ‎ ‎ ‎ یک فتنہ چہ زودی و چہ دیری

آن نکتہ کہ از خودم برآورد ‎ ‎ ‎ برخورد بگوشم از نظیری

ہر دیدہ و خواندہ شد فراموش ‎ ‎ ‎ الا تو ندیدہ در ضمیری،

از یک خم و یک قدح مے ناب

خوردند گرامی و نظیری،

مکالمہ

(غازی مصطفیٰ کمال و مہاتما گاندھی)

از

پروفیسر محمد اکبر صاحب منیرؔ ملتان کالج

(مصطفےٰ کمال)

اے مردِ حق شناس و حق اندیش و حق پرست! روشن جبین تست ز انوارِ حیدری

ہم بت پرست ہستی و ہم بت شکن شدی شد جمع در تو رسمِ خلیلی و آذری

صد آفریں بہ ہمتِ مردانہ وار تو خواہی کہ ملتے برہانی ز چاکری

خوانی حدیثِ مہر و محبت مسیح وار تن میدہی بر نج بعزم پیمبری

ایں تار و پود فلسفہ لیکن نمی برد، زنجیرہائے بندگی و بندہ پروری

شرعِ مسیح باز ز افرنگ یاد گیر، تا برکنی اساس تزاری و قیصری

خورشید وار آے بہ شمشیر آبدار تا پردہ ہائے ظلمت شب را زہم دری

ایں درد را بہ فلسفہ درماں نمی شود،

ایں کار جز بہ خنجر برّاں نمی شود،

(گاندھی)

اے ترک شیر دل! دم تیغ تو برق دار آتش زند بہ خرمنِ جور و ستمگری

اے افتخارِ شرق! بہ تدبیر و رای خویش دادی بہ ترک باز شکوہ سکندری

آری عصائے موسوی باید کہ تا کسے باطل کند طلسم اباطیل سامری

دانم کہ لازم است سرِ نیزہ بہر حق، اے مردِ پاکباز! چرا پردہ می دری؟

بر مردمان سست عناصر دلم بسوخت خوں جوش زد چو چشمۂ خورشید خاوری

خواہم کہ روح تو بدمم در دیار ہند تا گرد نم زخون جہانے بود بری

آن ملتے کہ باز نماند ز حرفِ حق حقا کہ ہست در خور دیہیم سروری

کلک و زباں چو تیغ و سناں است بہرِ مرد زافرنگیاں بخواندہ ام ایں طرفہ داوری

ترسم کہ کار کلک و زبان چون بجاں رسد

نوبت بہ تیر و توپ و تفنگ و سناں رسد

کلام شاد

از خان بہادر سید علی محمد خاں شادؔ عظیم آبادی

ادھر بھی کاش اکدن وہ سراپا ناز آ نکلے کبھی ہم سے غریبوں کے بھی دل کا حوصلہ نکلے

کہاں تاب و تواں اک عمر کا ہجراں کشیدہ ہوں بہ آسانی دم اپنا اپنے تن سے اے خدا نکلے

عدم میں آگے بھی خوف و رجا ہمراہ ہیں اپنے ہنوز آلودہ ہیں نکلے بھی دنیا سے تو کیا نکلے

در و دیوار کی الفت نے بے خود کر دیا سب کو تہے مہماں بہ مشکل تجھ سے اے مہماں سرا نکلے

عدو تک کی بھی خواہی ہے مقصود باطن میں بہ ظاہر ہو زباں پر بد دعا دل سے دعا نکلے

چھری چلتی ہے یارب انتظارِ قتل میں دل پر گھٹا جاتا ہے دم کب دیکھیے تیغِ قضا نکلے

وہ آنکھیں ہیں کہاں جن سے کھلے سب رازِ عالم کا تماشا دیکھنے بے کار اس میلے کا آ نکلے

پلٹ کر پھر نہ پوچھا شادؔ جیتا ہے کہ مرتا ہے،

وفادار و! عدم میں جا کے تم بھی بے وفا نکلے،

باب التقریظ والانتقاد

مآثر صدیقی

موسوم بہ

سیرتِ والاجاہی،

مُصنفہ

صفی الدولہ حسام الملک نواب علی حسن خان بہادر،

ہندوستان کی سرزمین نے جو مشاہیر علما پیدا کئے اُن میں نواب صدیق حسن خان مرحوم کی ذات مختلف حیثیات کی جامع تھی، اور ان تمام حیثیات کے نمایاں کرنے کے لیے اونکی ایک ضخیم سوانحعمری کی ضرورت تھی، اسی لحاظ سے ان کے خلف الرشید نواب علی حسن خان بہادر نے چار حصّون مین اون کے حالات لکھے ہیں، اور ہر حصّے مین اون کی مختلف حیثیات وخصوصیات کے متعلق نہایت مستند معلومات جمع کئے ہیں، نواب صدیق حسن خان مرحوم نسبًا سادات حسینی سے تعلق رکھتے تھے، جو سادات بخاری کے نام سے مشہور ہے، اور اس کا سلسلہ ۳۴ واسطوں سے جناب رسالت مآب صلعم تک منتہی ہوتا ہے، اسلئے مصنف نے پہلے حصّے میں اون کے تمام آبا و اجداد کے جو غالبًا صلحا، اور خیارِ قوم سے تھے حالات لکھے ہیں اور اس تقریب سے اور بہت سے بزرگوں کے حالات اردو زبان میں آگئے ہیں جو عام مسلمانوں کے علاوہ خاص طور پر ان سادات کے مطالعہ کے قابل ہیں جنکا سلسلہ نسب انھیں سے کسی بزرگ کے ساتھ وابستہ ہے، دوسرے حصّے میں ابتدائے

ولادت سے خود نواب صاحب کے سوانح شروع ہوئے ہیں، جنکا آغاز طالب العلمی سے ہوا ہے، اور اسی سلسلے میں اس دور کے بہت سے علما، و فضلا کے حالات اور ان کی علمی صحبتوں کا ذکر بھی آگیا ہے، جو غدر کے پس و پیش زمانہ میں تھے، اس کے بعد رفتہ رفتہ انھوں نے ایک رئیس کی حد تک جسطرح ترقی کی ہے اسکی تفصیل کی ہے اور اس سلسلے میں بھوپال کی سیاسی تاریخ کے متعلق بہت سے اہم واقعات آگئے ہیں جو خاص طور پر دلچسپ ہیں،

تیسرے حصّے میں ریاست بھوپال کے تمام انتظامی صیغوں کی تفصیل کیگئی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب کے زمانے میں ریاست کے تمام کاروبار میں مذہب کا اثر کس قدر سرایت کر گیا تھا، مثلًا صیغہ مذہبی، صیغۂ احتساب، محکمۂ زکوۃ، محکمۂ مساجد وغیرہ متعدد محکمے قائم تھے، جنکے فرائض جدا جدا تھے، علمی حیثیت سے بھی ریاست نے انتہائی ترقی کی تھی، متعدد دینی و دنیوی مدارس قائم تھے، اور کتاب و سنت کے احیاء کا خاص انتظام تھا، متعدد مطابع اور کتب خانے بھی تھے، جنکا حال مصنف نے تفصیل کیساتھ لکھا ہے، نواب صاحب مرحوم کے دورِ حیات کا سب سے آخری اور سب سے اہم واقعہ انتزاع خطاب و سلبِ اختیارات کا ہے، مصنف نے اس کے تمام وجوہ اسباب کی تفصیل کی ہے، اور ساتھ ساتھ اُن کے جوابات بھی دیئے ہیں جو نہایت غور و فکر کے ساتھ پڑھنے کے قابل ہیں، نواب صاحب مرحوم کی وفات پر اس حصّے کا خاتمہ ہوگیا ہے اور اس کے بعد چوتھا حصّہ شروع ہوا ہے، جس میں ان کے عقائد، عبادات، اخلاق و عادات، معمولات و وصایا اور اُن کی علمی خدمات کی تفصیل کیگئی ہے،

اس حسن ترتیب کے ساتھ کتاب نہایت مستند ماخذوں سے لکھی گئی ہے، اولًا تو نواب صاحب مرحوم نے اپنے حالات اپنی مختلف تصنیفات مثلًا اتحاف النبلاء، حطہ بذکر الصحاح الستہ، ابجد العلوم، حظیرۃ القدس، ریاض المرتاض وغیرہ میں خود لکھے ہیں، دوسرے تاج الاقبال تاریخ بھوپال، اور تہذیب النسوان میں خود نواب شاہ جہان بیگم صاحبہ نے ان کے اکثر حالات درج کئے ہیں، اور مختلف لوگوں نے اپنی تالیفات میں ان کے حالات لکھے ہیں، اگرچہ ایک اجنبی شخص بھی ان ماخذوں سے ان کے حالات لکھ سکتا تھا، لیکن ان کے

علاوہ اور بہت سے حالات دفتر ریاست کے کاغذات، سرکاری تحریرات اور ان کی قلمی بیاضوں سے اخذ کیے جا سکتے تھے، اور اس قسم کے ماخذ مصنف کے علاوہ کسی اور کو دستیاب نہیں ہو سکتے تھے، اور ہم خوشی [illegible] کہ انھوں نے نہایت سلیقہ کے ساتھ ان تمام ماخذوں سے کام لیے ہیں، جابجا حوالے بھی دیئے ہیں اور ان مختلف الانواع معلومات کو نہایت خوبی کے ساتھ اپنے اپنے موقع پر کھپایا ہے، اور معلومات کے اس تنوع نے کتاب کو ہر مذاق کے لوگوں کے لیے نہایت دلچسپ بنا دیا ہے، اور مذہبی، علمی، سیاسی ہر ذوق کے لوگ اس میں اپنی دلچسپی کا کافی مواد پا سکتے ہیں، خصوصاً وہ لوگ جو ہندوستان میں کتب احادیث اور مذہب اہل حدیث کی اشاعت کی تاریخ جاننا چاہتے ہیں، عبارت کی چاشنی، اور موقع بموقع اساتذہ کے اشعار مصنف کی تحریر کی [illegible] اور ادب فارسی پر عبور کامل کا پتہ دیتے ہیں،

ان معنوی خوبیوں کے ساتھ کتاب ظاہری صورت کے لحاظ سے بھی نہایت دلکش ہے، مطبع نولکشور میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے، حصوں کی الگ الگ تقسیم نے کتاب کی ضخامت کو بھی ناقابل برداشت نہیں بنایا ہے، چنانچہ پہلا حصہ ۱۱۰ صفحات میں، دوسرا حصہ ۱۴۲ صفحات میں، تیسرا ۱۴۱ صفحات میں، اور چوتھا ۲۱۶ صفحات میں آیا ہے، آخر میں حروف تہجی کے لحاظ سے نواب صاحب مرحوم کی تصنیفات کی فہرست بھی درج کر دی ہے، افسوس ہے کہ کہیں کہیں تصحیح نامہ کے بعد بھی الفاظ کی غلطیاں پائی جاتی ہیں،

کتاب دو قسم کے کاغذ پر چھپی ہے، اور مولوی سید کلیم احمد ندوی منیجر شبلی بک ڈپو بھوپال ہاؤس نمبر [illegible] لال باغ لکھنؤ، اور دار المصنفین سے مل سکتی ہے، قیمت حصہ اول [illegible]، حصہ دوم [illegible]، حصہ سوم [illegible]، حصہ چہارم [illegible]،

روح تنقید

مصنفہ

سید ابو الحسنات غلام محی الدین قادری زور بی، اے،

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن اس وقت اردو زبان کی ترقی کے متعلق جو خدمات انجام دے رہی ہے،

ان میں سب سے اہم خدمت یہ ہے کہ وہ اپنے یہاں کے طلباء میں ایک ایسی روح پیدا کر رہی ہے جو اردو زبان کو گرانقدر تصنیفات و تالیفات سے مالا مال کرنے کے لیے بے چین رہتی ہے، طلباء کے لیے تعلیم کا زمانہ نہایت مصروفیت کا زمانہ ہوتا ہے، اور اس حالت میں شاذ و نادر ہی ایسے طلباء کی مثالیں مل سکتی ہیں جنھوں نے کسی اہم موضوع پر تصنیف و تالیف کی جرأت کی ہو، لیکن جامعہ عثمانیہ کے ایک طالب العلم سید ابو الحسنات غلام محی الدین قادری زور نے زمانۂ طالب العلمی ہی میں اپنا زور طبع دکھایا ہے، اور ایک جدید اور اچھوتے موضوع یعنی فن تنقید پر ایک کتاب لکھی ہے، جسکا نام روح تنقید ہے، مصنف نے دیباچہ میں سب سے پہلے اردو کے ان تمام مشہور مصنفین کی خدمات کی داد دی ہے، جنھوں نے اردو زبان میں تنقیدی خدمات انجام دی ہیں، اس کے بعد کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، اور پہلے حصے میں حسب ذیل عنوانات پر تفصیلی بحث کی ہے، تنقید کی تعریف، ادب کی تعریف، ادب کی پیدائش، ادب کی تقسیم، ادب کا مقصد، تنقید کا مقصد، تنقید نگار کے فرائض، تنقید نگار کی نگہداشت، اصول تنقید، میر حسن اور ان کی مثنوی سحر البیان، دوسرے حصہ میں ارتقائے تنقید کی تاریخ لکھی ہے جس کے مختلف دور ہیں، مثلاً ازمنۂ ماضیہ (یونان) ازمنۂ ماضیہ (روما) ازمنۂ متوسطہ، عصر اصلاح، عصر بیداری اور انکشاف دنیائے جدید، فرانس اور ارتقائے تنقید، انگلستان اور ارتقائے تنقید، تین مشہور نقاد، مروجہ تنقید، چند تنقیدی کارنامے، ان عنوانات کی وسعت اور جامعیت میں کسی قسم کا کلام نہیں، اور اگر ایک خالص انگریزی خواں شخص کے قلم سے اس قسم کی جامع کتاب نکلتی تو داد و تحسین کے سوا ہمارے قلم سے کوئی کلمۂ شکایت بھی نہ نکلتا، لیکن کتاب کی ابتدا میں مصنف کا جو تعارف کرایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے دار العلوم میں عربی اور فارسی کی بھی تعلیم پائی ہے اسلیئے اس کتاب میں ایک مستقل عنوان ان تنقیدی کارناموں کا بھی ہونا ضرور تھا جو مسلمانوں کی طرف منسوب کئے جا سکتے ہیں، اسی تعارف میں خوش قسمتی سے ان تنقیدی کتابوں کے نام بھی بتا دیئے گئے ہیں جو مسلمانوں نے اس فن پر لکھی ہیں، لیکن مسلمانوں کے تنقیدی کارنامے صرف [illegible]

سخن ہی تک محدود نہیں ہیں، بلکہ انھوں نے تاریخ، حدیث، اور فقہ غرض تمام علوم و فنون پر تنقیدیں کی ہیں اور عربی لٹریچر تعقبات سے بھرا ہوا ہے، اسلیے ارتقائے فن تنقید کے سلسلے سے ان کو کسی طرح الگ نہیں کیا جاسکتا، تاہم جہاں تک انگریزی تصنیفات کا تعلق ہے انھوں نے اس کتاب کو نہایت محنت و جامعیت کیساتھ لکھا ہے، اور اس وقت جو لوگ ادبیات اردو پر تنقیدی حیثیت سے نگاہ ڈالتے ہیں ان کے لیے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، مکتبۂ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن، یا نظامت منزل کنگ کوٹھی روڈ حیدرآباد دکن سے ملسکتی ہے، قیمت ۴؎ ہے،

لطائف الادب

مؤلفہ

مولوی ظفر علی خان صاحب بی، اے،

جناب مولوی ظفر علی خان صاحب بی اے علیگ کو سیاسی ہنگامہ آرائیوں سے جب جب چند لمحے سکون و اطمینان کے ملے ان کو انھوں نے اردو علم ادب کی خدمت میں صرف کیا، زیر تبصرہ رسالہ ان لمحوں کی یادگار ہے جو انھیں مانٹگمری جیل میں میسر آگئے تھے، اس رسالہ میں متعدد مباحث پر علیحدہ علیحدہ دس مضامین ہیں، پہلا مضمون "بخت نصر کا خواب" ہے، جسمیں بخت نصر کے اس خواب سے بعثت نبوی کی پیشینگوئی ثابت کیگئی ہے، جسکی تعبیر حضرت دانیال ؑ نے دی تھی، دوسرا مقالہ "تغلق تیمور کا اسلام" ہے اس میں چنگیز خاں کے حملے اور اسکی سلطنت کی سرسری تاریخ پھر تغلق تیمور کے قبول اسلام اور اس بناپر مغلوں میں اسلام کی عام اشاعت کے حالات بیان کیے گیے ہیں، پھر تحریک اتحاد تورانی" پر ایک بسیط مقالہ ہے جسمیں اس تحریک کی نشو و نما سے آج تک کے مفصل حالات بیان کرکے نتائج اخذ کئے گئے ہیں، پھر دوئی کا ایک درخت کے ذیل میں عام تفسیروں سے گریز کرکے بہشت کے شجرۂ ممنوعہ کی یہ تفسیر کیگئی ہے کہ وہ کلمۂ خبیثہ یعنی شرک کا نشانی درخت تھا، مؤلف کا یہ نظریہ مفسرین کے نزدیک قابل قبول نہیں، پھر "العقبہ" کے عنوان سے ثابت کیا گیا

کہ انسانوں کو غلامی سے نجات دلانا اور محتاجوں کو کھانا کھلانا انسان کی فطرت میں داخل ہے جیساکہ قرآن کریم نے سورہ بلد میں واضح کیا ہے، پھر "صلاح الدین کا ذکر بزم فرنگ میں" کے ذیل میں اٹلی کے ایک مشہور انشاپرداز کے ایک فسانہ کا ترجمہ درج کیا گیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ سلطان صلاح الدین اپنے دشمنوں میں کس منزلت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے، پھر سکھ فوج کے ایک برطانوی لفٹنٹ کی ایک کتاب سے، مہاراجہ رنجیت سنگھ کا دربار" کے عنوان سے رنجیت سنگھ کے دربار کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اس کے بعد ایک تاریخی معجزہ کے ذیل میں نورالدین شہید کے عہد کے ان دو عیسائیوں کے تاریخی واقعہ کو شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے، جو مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر کے عقب میں بعض نجس ارادوں سے مقیم ہو کر نقب زنی کررہے تھے اور سب سے آخر میں "تصریحات مونسرات" ہے، یاد ہوگا اکبر نے تحقیق مذاہب کے سلسلہ میں ایک عیسائی مشن کو بھی مدعو کیا تھا، مونسرات اسی مشن کا ایک رکن تھا، اس نے اپنی واپسی کے بعد لاطینی زبان میں ایک کتاب لکھی جسے ۱۹۰۶ء میں ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے شائع کیا اور اب ۱۹۲۲ء میں اکسفورڈ نے اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں چھاپا، مونسرات نے اپنی تصریحات میں ان تمام واقعات کو وضاحت سے جمع کیا ہے جو اس کے مشن کو دربار اکبری میں پیش آئے، نیز دربار کے دوسرے امور بھی طبعاً بیان کیے ہیں، مونسرات نے مناظروں اور مباحث سے متعلق جو کچھ بھی لکھا ہے وہ مبالغہ، کذب اور افترا سے لبریز ہے، نیز پیغمبر علیہ السلام کے متعلق جو نہایت ناملائم کلمات استعمال کئے ہیں، مولوی ظفر علی خانصاحب نے اپنے اس مضمون میں اسی کتاب پر مفصل تبصرہ کیا ہے، جابجا سے اقتباسات بھی دیئے ہیں جو یورپ کی "مذہبی بے تعصبی" اور "اخلاق و تہذیب" کی بہترین مثال ہے، غرض لطائف الادب اپنی گوناگوں خصوصیات کے لحاظ ایک دلچسپ اور دلآویز رسالہ ہے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، ضخامت ۹۵ صفحے قیمت ۸؎ رتبہ دفتر منصور بک ڈپو لاہور،

مطبوعاتِ جدیدہ

شاہان مالوہ، ہندوستان کی تاریخ میں خاندان تغلق کے بعد سے عہد اکبری تک کے زمانہ کو "[illegible]"
سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جسمیں ہندوستان کے مختلف اطراف میں سلطنت دہلی سے علیحدہ ہو کر
متعدد خود مختار حکومتیں قائم ہوگئیں انھیں خود مختار حکومتوں میں ایک مالوہ کی حکومت بھی ہے جسے داور خاں صوبہ
مالوہ نے قائم کیا، منشی امیر احمد صاحب علوی بی اے نے "شاہان مالوہ" کے نام سے اسی حکومت کی قیام حکومت
اس کے زوال تک کی مفصل تاریخ لکھی ہے جسمیں تمام شاہانِ مالوہ کے دورِ حکومت کو علحدہ علحدہ بیان کیا گیا ہے
اور نیز ہر دور کے تعمیرات، شہروں کی آبادی، مالوہ میں علماء و فضلاء کی آمد، اور دیگر تمدنی و معاشرتی حالات
بھی بیان کئے ہیں، زبان صاف اور سلیس ہے، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۱۵۹ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ معمولی
ہے، قیمت عہ، محمد حسن صاحب مالک انوار المطابع لکھنؤ سے طلب کریں،

قوانین عربی حصہ اول، مولوی احمد بخش صاحب مولوی فاضل نے عربی علم صرف کی متداول کتابوں کا
استقصار کرکے ایک حد تک علم صرف کے تمام مسائل نہایت اختصار اور جامعیت سے جمع کرکے انھیں "قوانین
عربی" کے نام سے شایع کیا ہے، ابتدا میں علم صرف کی اصطلاحوں کی تعریف و توضیح کی گئی ہے، پھر حروف ہجا
مختصراً سمجھائے گئے ہیں، اس کے بعد علم صرف کے عام قاعدے مختلف ابواب میں تقسیم کرکے بیان کئے گئے ہیں، اور
ہر باب کے آخر میں بیان کردہ مسائل کے متعلق سوالات قائم کرکے مبتدیوں سے جوابات لینے کی ہدایت کی گئی
ہے، کہ اس طرح مبتدیوں کے ذہن میں تمام مسائل مستحضر ہو جائیں، امید ہے کہ یہ تالیف مبتدیوں کے لئے مفید
ہو گی، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۲۳ صفحے لکھائی بچوں کی مناسبت سے جلی ہے، چھپائی اور کاغذ بھی اچھا ہے قیمت عہ

پتہ: عارف اینڈ برادر کشمیری بازار لاہور،

تحفۂ احباب، جناب مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب بہاری نے مختلف آیات قرآن مجید
کی تفسیر عربی میں "دلوامع التفاسیر" کے نام سے لکھی تھی اب احباب کے اصرار سے اس تفسیر
کو خود مؤلف نے اردو کا جامہ پہنا کر "تحفۂ احباب" کے نام سے شایع کیا ہے، جس میں اکثر آیتوں
کی تفسیر میں مخالفینِ اسلام کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں، اور بعض آیتوں کے ذیل
میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق بعض تاریخی واقعات کی تحقیق کی گئی ہے، اور کہیں کہیں قرآن کے
قصص بیان کرکے مسلمانوں کو نصیحت حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، حجم ۱۰۹ صفحے لکھائی
چھپائی اور کاغذ معمولی ہے، قیمت عہ، پتہ: مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب بہاری
بھاگل پور،

سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ اجمیریؒ اُن مقدس بزرگوں میں ہیں جنھوں
نے ہندوستان میں اپنے روحانی اثرات سے باشندگانِ ہند کو شمع ہدایت دکھائی، اور یہاں یکہ و تنہا اسلام
کی وہ خدمات انجام دیں، جو کئی صدیوں میں تمام مسلمان تاجدارانِ ہند سے نہ ہو سکیں، اسلیے ایسے مقدس بزرگوں
کی سوانح حیات کا ایک ایک نقش مسلمانوں کے لیے دلیل راہ ہے، یوں تو اردو میں انکی متعدد سوانحمریاں لکھی
گئیں لیکن ان میں امور خرقِ عادات و کرامات سے زیادہ کوئی شے نہیں ملتی، اسلیے اردو میں ایک جامع سوانحمری
کی شدید ضرورت تھی، جناب مولوی سید الیاس صاحب رضوی نے اس کا احساس کرکے زیر تبصرہ سوانح لکھی
ہے جس میں خواجہ صاحبؒ کی سوانح کا کافی حصہ آگیا ہے، خواجہ صاحبؒ کے واقعات میں سنین کے جو اختلافات
ہیں ان کی تحقیق کی ہے، اور سوانح اجمیری کی مناسبت سے شہر اجمیر کے جغرافی و تاریخی حالات بھی وضاحت سے
آخر میں بیان کئے گئے ہیں، ابتدا میں چند صفحوں کا ایک مقدمہ ہے، جسمیں علم تاریخ کے مختلف دور قائم کرکے اسکی
تدریجی ترقی دکھائی گئی ہے، لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ معمولی ہے، قیمت   پتہ:- جناب محمد ادریس صاحب

تاجر کتب اجمیر شریف،

تربیت، بچوں کی تربیت اگر انکی ابتدائی عمر سے صحیح اصول پر کیجائے، تو آگے چلکر ان کے بے … ہونے کے کم خطرات رہجاتے ہیں، ہماری مذہبی، اخلاقی اور تعلیمی پستی کی ایک بڑی وجہ بچپن کا غلط اصول … ہے، جناب سید شاہ محمد طہ صاحب نے اسی بنا پر یہ رسالہ تربیت مرتب کیا ہے، جس میں والدین اور سر پرستو… کو مخاطب کرکے بچوں کے مذہبی، اخلاقی اور تعلیمی حالات کی نگہبانی کے اصول بتائے گئے ہیں، جو اصول بتا… گئے ہیں وہ کار آمد اور عمل پیرا ہونے کے لائق ہیں، حجم چھوٹی تقطیع پر ۵۶ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط… پتہ انجمن ہلال اتحاد خسرو پور پٹنہ سے ملسکتی ہے،

ترغیب حساب، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کی جدت پسند طبیعت انوکھے اسلوب میں نئی نئی چیز… پبلک کے سامنے پیش کرتی ہے، خواجہ صاحب نے زیر تبصرہ رسالہ میں عام مسلمانوں اور خصوصاً عورتوں اور بچو… کو فن حساب کے سیکھنے کی ترغیب دلائی ہے کہ اس ذریعہ سے احکام مذہبی کی پابندی میں سہولت اور کفایت … اختیار کرنے میں آسانی ہوگی، ضخامت ۳۱ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۲؎ پتہ :- حلقہ مشائخ …

اسلامی رسول، سرزمین پنجاب سے "رنگیلا رسول" کی ترکیب وضع ہوئی معلوم نہیں خواجہ حسن نظامی صاحب … جدت پسند طبیعت نے تقلید کیونکر گوارا کی کہ اپنے رسالہ کو اسلامی رسول کے نام سے موسوم کیا، رسالہ میں انبیا کی ضرورت … انبیاء کا قانون فطرت کے مطابق ہونے اور ہر قوم میں انبیاء کے مبعوث ہونے پر گفتگو کرکے آنحضرت صلعم کے اخلاق حسنہ ذ… متعدد کتابوں سے اخذ کرکے جمع کئے گئے ہیں، اور آخر میں بعثت نبوی سے قبل سرزمین عرب کی حالت اور پھر آپ کے مبعوث ہونے … اس کا اوج ترقی پر پہونچنا دکھایا گیا ہے، رسالہ ۳۶ صفحے پر ختم ہوا ہے، لکھائی چھپائی اور کاغذ … ہے، قیمت ۳؎ پتہ : حلقہ مشائخ دہلی،

مجلد ہفدہم | ماہ شعبان ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۲۶ء | عدد سوم

مضامین

جمعیۃ العلماء کلکتہ کا خطبۂ صدارت،

یہ خطبہ جسمین عالم اسلام کے ہر قسم کے مسائل پر غائر نظر ڈالی گئی ہے اور علماء کو موجودہ مذہبی خطرات سے آگاہ کیا گیا ہے اور ہندوستان مین مسلمانون کے حقوق و فرائض سے بحث کیگئی ہے، نہایت اہم ہے، اکثر شائقین اسکا تقاضا کر رہے ہین، اسلئے اون کو اطلاع دیجاتی ہے کہ دفتر مین اس خطبہ کے تھوڑے سے نسخے باقی ہین، جو صاحب چاہین بقیمت منگوا سکتے ہین قیمت ۸؍ ضخامت ۶۸ صفحے،